ماہنامہ

تجلیات

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ — مجلہ

حیاتِ نو

جلد: ۶ — شمارہ: ۱۰، ۱۱

اکتوبر، نومبر ۱۹۹۱ء

بدل اشتراک	مدیر مسئول
سالانہ زر تعاون: — ۴۰ روپے	نور محمد فلاحی
خصوصی تعاون: — ۱۰۰ روپے	مدیر
غیر ممالک سے: — ۲۰ امریکی ڈالر	محمد اسمعیل فلاحی
قیمت فی شمارہ ۳½ روپے	معاون مدیر
اس شمارے کی قیمت: — ۵ روپے	عبدالبر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

: ترسیل زر کا پتہ :

دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

نشاط آفسیٹ پریس، ٹانڈہ، فیض آباد

نقوش حیات نو

صفحہ

- اداریہ

علامہ فراہی سیمینار — محمد اسماعیل فلاحی — ۳

- بحث ونظر

اخبار آحاد — مترجمہ کوکب سیما — ۹

قرآن کی بعض نمایاں خصوصیات — محمد ادریس فلاحی — ۲۸

- سیر وسوانح

محمد طفیل ــــ محمد نقوش — ابوسفیان اصلاحی — ۳۲

- تعلیم وتعلّم

توجہ مطلوب ہے — عبدالبر اثری فلاحی — ۴۷

- فتاویٰ

جلسوں وغیرہ میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینے کا حکم — مترجم ابن محمد فلاحی — ۵۱

- مکالمہ

فریب آزادی — طارق احسن فلاحی — ۴۰

- شعر ونغمہ

قرآن کی باتیں، نماز، ارتقائے نو — شہاب اشرف، منصف مبارکپوری — ۴۹—۵۰

ایک بجھنے ہی تو سے شمع شبستان آرا — کوثر اعظمی — ۴۲

- تعارف وتبصرہ

تعبیر — عبدالبر اثری فلاحی — ۵۷

- اخبار علمیہ

اسلامی رسائل وجرائد کی عالمی نمائش، مودودی ٹرسٹ — ابن اعظم فلاحی — ۵۳

- جامعہ کے لیل ونہار

وی پی سنگھ کی آمد، انتظامیہ کا اجلاس — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۶۰

علامہ فراہی سیمینار

دنیا میں اور بھی قومیں بستی تھیں جنھیں کتابِ الٰہی کا حامل اور امین بنایا گیا تھا، انھوں نے امانت کا حق ادا نہیں کیا، خیانت کی مرتکب ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی اور وہ راندۂ درگاہ ہو گئیں، پھر اس نے آخری رسول بھیج کر ایک نئی امت برپا کی اور اسے اپنی آخری کتاب اور آخری پیغام کا امین بنایا۔ اور ساتھ ہی یہ بتا دیا گیا کہ

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین۔ (مسلم)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور کچھ دوسروں کو قعرِ مذلت میں ڈال دیتا ہے۔

یہ ہمارے لئے کتنی خوش نصیبی اور سعادت بخشی کی بات ہے کہ اس آخری پیغام کے اور اس بارِ امانت کے حامل ہم ہیں، لیکن یہ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ ہم بھی اس کے اہل ثابت نہ ہو سکے۔ ہم نے بھی انھیں غلطیوں کو دہرایا جو ہماری پیش رو قومیں کر چکی تھیں۔ ہم نے بھی وہیں ٹھوکریں کھائیں جہاں وہ گرے پڑے تھے۔ ہم نے بھی کتابِ الٰہی کے ساتھ انھیں کی طرح بڑی زیادتیاں اور بڑے ناروا سلوک کئے۔ اسے ایک عضوِ معطل بنا کر زندگی سے بے دخل کر دیا، اس کے پیچھے چلنے کے بجائے اس کو اپنے پیچھے گھسیٹتے پھرے، اسے علماء کے ایک خاص طبقہ کے اندر دائرہ منحصر سمجھا اور بس بے سمجھے بوجھے تلاوت کر لینے کو اپنے لئے کافی جانا۔

جامعۃ الفلاح کو روزِ اول سے اس بات کا شدید احساس رہا ہے کہ ہماری

ہماری موجودہ بد فہمی اور ہمارے تمام مسائل کا اصل سبب قرآن کریم سے یہی دوری اور بے تعلقی ہے۔ اسی بنا پر جامعہ نے قرآن کریم کو اپنے نہج تعلیم و تربیت میں مرکزی حیثیت اور اس کے شایانِ شان مقام دیا ہے۔ اصل مرکز و محور قرآن ہے۔ باقی سارے علوم و فنون اس کے تابع اور اس کے گرد گھومتے ہیں۔ یہاں قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ طلبہ و اساتذہ، وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ، کسی مخصوص خول میں بند ہوئے بغیر، تمام اکابر مفکرین سے استفادہ کرتے اور بکھرے ہوئے لعل و گہر چن چن کر اپنے جیب و دامن بھرتے ہیں۔ لیکن کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ یہ در اصل نتیجہ ہے اس نہجِ تعلیم کا جو یہاں کا خاص امتیاز ہے، اور جس پر ابھی گفتگو کا موقع نہیں ہے۔

جامعہ میں قرآن کریم کے اسی مقامِ بلند کا نتیجہ تھا کہ جب یہ خبر آئی کہ علامہ فراہی سیمینار ہونے والا ہے تو اس خبر کو ہم نے بڑی اہمیت دی اور اپنے قدیم مدرسۃ الاصلاح کو لائقِ تہنیت سمجھا اور ۸، ۹ اور ۱۰ اکتوبر کو مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر میں اس سیمینار میں ہم شریک ہوئے۔

علامہ فراہیؒ نے قرآن کی زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ وہ قرآن کے مزاج شناس اور متبحر عالم تھے۔ ان کا بہت بڑا کارنامہ قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنا ہے۔ قرآن پر غور کرنے کا ان کا اپنا مخصوص انداز تھا۔

انھوں نے اصولِ تفسیر پر کم و بیش تیرہ رسالے لکھے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن فہمی کے یہ اصول ان کی اپنی اختراع اور جدت ہوں بلکہ انھوں نے قدما سے استفادہ کیا اور ان کے کلام کو بہت آگے بڑھایا ہے۔ انہیں فکرِ فراہی کہہ کر اسے مخصوص خول میں بند کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے بلکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ ان ہی کی طرح قرآن میں ڈوبا اور اترا جائے، انہیں کی طرح محنت شاقہ کی جائے اور پسینہ بہایا جائے۔ علامہ فراہی قرآن کے زمانۂ نزول کی ٹکسالی زبان جس میں قرآن اترا ہے اس کا ذوق پیدا کرنے اور اس کی مشق و ممارست بہم پہنچانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور پھر نظم کلام اور تفسیر قرآن بالقرآن کی روشنی میں قرآن کو سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں (نظمِ قرآن کا مفہوم علامہ فراہی کے یہاں بہت وسیع ہے جس کے لئے الگ سے مقالے کی ضرورت ہے) اس کے بعد وہ احادیث، آثارِ صحابہ، شانِ

نزول، کتبِ تفسیر، تاریخِ عرب سب سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں لیکن نظمِ کلام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اختلاف کی صورت میں قرآن ہی کو حکم مانتے ہیں۔

غور کرنے اور گفتگو کرنے کی چیز یہی اصول ہیں۔ ان اصولوں کو چھوڑ کر بعض حضرات اپنا سارا زور کسی مخصوص آیت میں مولانا فراہیؒ کے کسی نتیجۂ فکر پر صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ دیگر مفسرین کی طرح علامہ سے بھی اختلاف اور اتفاق دونوں کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو علامہ معصوم تھے اور نہ ان کی باتیں حرفِ آخر ہیں۔

دین و دنیا کی تفریق ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ علامہ فراہی اس تفریق کے قائل نہیں تھے وہ سیاست کو دین سے جدا نہیں سمجھتے تھے، اپنی کتاب فی ملکوت اللہ میں اس پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلابدّ أن يجتهد والها كل الاجتهاد وتكون هي نصب أعينهم وقبلة همتهم ووجب عليهم أن يعطوا لها أكرم وأنفس ما لديهم وهو الحرية والأنفة

لازم ہے کہ اس حکومت الٰہیہ اور خلافت کیلئے لوگ کمل جد و جہد کریں اور یہی ان کا نصب العین اور ان کے عزم و حوصلہ کا کعبۂ مقصود بن جائے اور یہ بھی واجب ہے کہ اس کی خاطر اپنی بیش بہا اور مرغوب ترین چیز یعنی آزادی و حمیت کو قربان کردیں۔

"فی ملکوت اللہ" کی روشنی میں اس موضوع پر صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی کا مقالہ سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔

قرآن میں سیاسی تعلیم کی بنیاد، حکومتِ الٰہیہ اور قیامِ عدل، انتخابِ امیر کا طریقہ وغیرہ امور پر علامہ فراہی نے اس کتاب میں بحث کی ہے۔ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے ان تمام امور کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور یہ بات بتانے کی کوشش کی ہے کہ علامہ فراہی کے یہاں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا کتنا واضح تصور ملتا ہے اور وہ اسے کس قدر ضروری قرار دیتے ہیں۔ مولانا نظام الدین اصلاحی اپنے مقالہ کے آخر میں لکھتے ہیں "یہی وہ فکری سوتا تھا جس سے تلامذہ فراہی سیراب ہوتے رہے اور پھر وہاں سے برصغیر ہند و پاک کو سیراب کرتے

سے مولانا فراہی کے تصور انقلاب کو آگے بڑھایا۔ تب راستے کو علمی انداز سے مولانا فراہی نے واضح کیا، اسی راستہ پر عملاً چل کر وقت کے لوگوں کو ان کے تلامذہ نے واقف کرایا اور نظام شریعت کے نفاذ اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے اپنی زندگیاں لگا دیں۔ اگر مولانا مودودی کا نام الگ کر کے سوچا جائے تو تھوڑے سے استثناء کے ساتھ صرف تلامذۂ فراہی ہی میدان میں رہ جاتے ہیں جنھوں نے اس میدان میں قیادت کا فرض انجام دیا۔ یہ پورا کارنامہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا صدرالدین اصلاحی و دیگر اصلاحی برادری کی انتھک جدوجہد کا رہینِ منت ہے جن کی کوششیں تاریخ امت میں جلی حروف میں لکھی جائیں گی۔"

سیمینار میں پیش کئے گئے مقالوں میں ایک دوسرا انتہائی قیمتی مقالہ "فراہی اور علم تفسیر۔ پانچ امتیازی خصوصیات" مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی صاحب کا تھا۔ اس مقالے سے علامہ فراہیؒ کے طرز تفسیر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنے مقالہ میں علامہ فراہیؒ کی تفسیر قرآن کے پانچ امتیازی اوصاف کا کچھ اس طرح تذکرہ کیا ہے۔

(۱) علامہ فراہیؒ پورے قرآن کو قطعی الدلالۃ قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ قرآن کو ظنی الدلالۃ سمجھتے ہیں۔

اسی طرح وہ روایات و احادیث کو ہمیشہ قرآن کے تابع سمجھتے ہیں اور کسی ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے جس سے قرآن پر کوئی آنچ آتی ہو۔ جبکہ لوگ عام طور سے قرآن، احادیث و روایات کے اس فرق مراتب کو محفوظ نہیں رکھ پاتے۔

اسی طرح محکمات اور متشابہات کی عام طور سے جو تشریح کی جاتی ہے اس سے قرآن کی قطعیت اور عظمت مجروح ہو جاتی ہے جبکہ امام فراہیؒ اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ قرآن کی عظمت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے اور اس کی آب و تاب میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی۔

(۲) علامہ فراہیؒ نے قرآن پاک کو تمام علوم شریعہ کی اصل اور ان کا محور قرار دیا ہے۔ ان کی تمنا تھی کہ قرآن پاک کی شان ایک آفتاب کی ہو اور تمام علوم دینیہ اور شرعیہ کی حیثیت اس کے نظام شمسی کی ہو اور یہ پورا نظام شمسی ہمیشہ اسی آفتاب عالم تاب

کے گرد گردش کرتا ہوا نظر آئے۔

(۳) علامہ فراہیؒ نے امت کے لئے قرآن فہمی کی راہ ہموار کی۔ وہ قاری کی ذہنی تربیت کرتے جاتے ہیں۔

(۴) انھوں نے نظم قرآن کا جیسا جامع اور مکمل تصور پیش کیا ہے وہ کسی اور کے یہاں نہیں ملتا۔

(۵) تفسیر قرآن بالقرآن کی وہ شان جو علامہ فراہیؒ کے یہاں پائی جاتی ہے وہ کسی اور کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

وقت کی کمی کے باعث مقالہ کا خلاصہ ہی پیش کیا جا سکا، ہمیں اس مقالہ کی اشاعت کا انتظار ہے تاکہ ذرا کھل کر ہم اس کا جائزہ لے سکیں۔

علامہ فراہیؒ کی ایک اہم کتاب "اسالیب القرآن" ہے۔ قرآن کے اسالیب پر علامہ فراہیؒ کی یہ کوشش نہایت گرانقدر ہے۔ قرآن فہمی کے لئے ان اسلوبوں کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ استاذ جامعہ مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی کا گرانقدر مقالہ اس کتاب کی قدر و قیمت واضح کر رہا تھا۔

"تین دن کے اندر مختلف عنوانات کے تحت تقریباً چالیس مقالات پیش کئے گئے اور ان پر سوال و جواب ہوئے۔ یہ سیمینار توقع سے زیادہ کامیاب رہا جس کے لئے ابنائے مدرسۃ الاصلاح قابل مبارکباد ہیں۔ علامہ کی ذات پر مزید سیمیناروں کی ضرورت ہے۔ مولانا محمد امانت اللہ صاحب اصلاحی کی طرح میری بھی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا فراہیؒ کے پرجوش حامیوں اور پرجوش مخالفین کو اعتدال کی توفیق دے۔

مولانا اجمل ایوب اصلاحی صاحب کا مضمون مجلہ علوم القرآن میں بعنوان "تصانیف فراہی کا غیر مطبوعہ سرمایہ" نظر سے گذرا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ابھی بہت بڑا سرمایہ ہے جو اہل علم کے ہاتھوں میں نہیں پہونچا۔ اس کی اشاعت کی فکر ہونی چاہئے، وہ کسی کی وراثت نہیں ہے۔ علامہ فراہی امت کے گوہر نایاب تھے اور ان کا سرمایہ پوری امت کے اہل علم کا حق ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ قیمتی سرمایہ کہیں دست برد زمانہ کی نظر ہو جائے، اور اگر ایسا ہوا تو یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت اور بڑے خسارے کی بات ہوگی۔ یہ سمجھتے ہیں

آثار علامہ فراہی سے یہ کون سی محبت اور کیسی عقیدت ہے کہ ان کے انتقال کو اتنی مدت گزر گئی اور ان کی شبانہ روز کاوشوں کو دیمک کی خوراک بننے کے لئے رکھ چھوڑا گیا ہے۔ اگر صلاحی برادری گراں بار ہو رہی ہے تو وہ دوسروں کو اس کا موقع دے۔

ایک تصویر یہ ہے کہ ۱۹۱۷ء میں ایک خونیں انقلاب آتا ہے اور زمین لرز اٹھتی ہے۔ مسجدیں ڈھا دی جاتی ہیں یا جانوروں کے اصطبل اور کھیل کود اور حرام کاری کے اڈوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں، لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان خاک و خون میں لوٹتے نظر آتے ہیں، مذہب کا مکمل صفایا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دینی تعلیم و شعائر دینی شجر ممنوعہ قرار پاتے ہیں۔

اب دوسری تصویر یہ ہے کہ اسی روس میں کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگ چکی ہے، مارکس، اسٹالن، لینن اور دیگر رہنماؤں کے مجسمے پیروں تلے روندے جاتے ہیں؛ وتلك الايام نداولها بين الناس۔

قابل مبارکباد ہیں وہ غیور مسلمان جنہوں نے جبر و تشدد کی اس طویل طوفانی رات میں بھی اپنے دین و ایمان کو سینے سے لگائے رکھا اور نئی نسل کی دینی شناخت سے غافل نہیں ہوئے خواہ زیر زمین ہی سہی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا قافیہ تنگ کرنے والے مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھنے والے مذہبی جنونیوں کے لئے کیا اس میں کچھ سامان عبرت ہے یا اب بھی وہ نشہ میں مست ہیں؟ انھیں نوشتۂ دیوار پر نظر ڈالنی چاہیے۔ یہ کھیل بہت مہنگا پڑے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

بقیہ: اخبار آحاد

حدیثِ آحاد چونکہ ظن و گمان کا فائدہ دیتی ہے اس لئے اس کے مقابلے میں اگر تحریری یا یقینی دین پایا جائے گا تو حدیثِ آحاد پر انھیں ترجیح دی جائے گی، خواہ وہ سند کے لحاظ سے صحیح حدیث ہی کیوں نہ ہو۔ (بشکریہ ماہنامہ "اشراق" لاہور)

کوکب سیما

اخبارِ آحاد

[ہفت روزہ عربی اخبار "المسلمون" سے تلخیص و ترجمہ]

(۱)

سنتِ نبوی کے بارے میں قدیم اور جدید دور میں علماء کے درمیان مختلف آراء اور اختلافات رہے ہیں۔

قدیم دور میں بعض علمائے کرام حدیث و سنت کی کتابت پر زور دیتے تھے جب کہ بعض اسے ضبطِ تحریر میں لانے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کی رائے کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے اپنے اقوال لکھنے سے منع فرمایا تھا تاکہ قرآنِ مجید اور حدیث و سنت میں کسی قسم کے اختلاط کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ لہذا علماء نے اس احتیاط کو ہمیشہ ملحوظ رکھا کہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات میں فرق واضح رہے، لیکن اس کے باوجود وہ سنتِ نبوی کو محفوظ کرنے کے بارے میں کبھی غافل نہیں رہے کیونکہ سنت ہماری شریعت کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔

ابتدائی دور میں جھوٹے اور منافق لوگوں نے مجموعۂ احادیث میں فرضی، جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایات کا اضافہ کرنے کی کوشش کی تو علمائے حدیث نے علم جرح و تعدیل کے اصول بنائے تاکہ صحیح روایت کو غلط روایت سے ممتاز کیا جا سکے۔ اس طرح صحیح احادیث کا مجموعہ کتابی شکل میں محفوظ کر لیا گیا جو نسلاً بعد نسلٍ قبول و تائید کے ساتھ اس امت کو منتقل ہوتا رہا۔

موجودہ زمانے میں بھی حدیث کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ بعض ایسی احادیث ہیں جو دینِ اسلام کے لیے فتنے کا باعث بنتی ہیں۔ اسی چیز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، دین کو محفوظ کرنے کے لیے بعض علماء نے صحاح ستہ پر بھی تنقید کی ہے اور ایسی احادیث کو رد کیا ہے جن پر عقل مطمئن

نہیں ہوتی اور وہ دین کے لیے شناعت کا باعث بنتی ہیں۔ ان کے نزدیک ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے قواعد مرتب کیے جائیں جن پر صحیح احادیث کو پرکھا جا سکے اور سنتِ نبوی ہر آمیزش سے پاک ہو سکے۔

ان تمام باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احادیث کی چھان پھٹک کرنا کیا درست ہے اور کیا علماء اس بات پر رضامند ہو جائیں گے کہ صحیح مسلم، صحیح بخاری اور دوسری صحاح سے ایسی احادیث کو نکال دیا جائے جو خلافِ عقل اور خلافِ واقعہ ہیں یا احادیث کی ان "صحیح" کتب میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی اشکال پیش آ جائے تو اسی موضوع سے متعلق دوسری روایت کی روشنی میں بات کو سمجھ کر صحیح نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

ان تمام مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے عربی جریدے "المسلمون" نے اپنے دفتر میں فقہ، حدیث، عقیدہ، تفسیر اور فکرِ اسلامی کے مختلف علماء کے ساتھ دو مسلسل مجلسیں منعقد کیں۔

"المسلمون" کے نمائندے نے اپنی گفتگو کا آغاز مشہور اسلامی مفکر شیخ محمد غزالی سے گفتگو کرتے ہوئے صحیح بخاری کی ان احادیث کا ذکر کیا جن کے بارے میں شیخ اپنی کتاب "السنة النبوية بين اهل الفقه و اهل الحديث" میں تردد کا اظہار کر چکے ہیں۔

"المسلمون":

کیا علمِ جرح و تعدیل اور وہ قواعد جن پر اس علم کی بنیاد رکھی گئی ہے، ہمارے لیے وہ کسوٹی بن سکتے ہیں جس سے ہم صحیح حدیث کو ضعیف حدیث سے الگ کر سکیں اور اس طرح سنتِ نبوی تمام خود ساختہ روایات سے پاک ہو جائے؟

شیخ غزالی:

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے، حدیث کی ہمیں ضرورت نہیں یہ طرزِ فکر گمراہ کن ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی۔ آپ کی سیرت عبادات، اخلاق، جہاد اور معاملات و تعلقات میں اس قرآن کی تفسیر تھی جس نے ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عملی اور قولی صورت میں ہم تک منتقل نہ ہوتی تو قرآن مجید خیالی دنیا کے چند فلسفیانہ نظریات کا نام ہوتا۔ اگر سنت کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو تسلیم نہ

کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اجتماعی، تہذیبی، عسکری معاملات اور عبادات و اعتقادات میں آپ کی حیثیت وقتی تھی جواب مسلّم نہیں رہی، حالانکہ جس طرح پانی مختلف عناصر کا مجموعہ ہوتا ہے کسی ایک عنصر کی غیر موجودگی میں وہ پانی نہیں کہلائے گا اسی طرح اسلام بھی قرآن و سنت کے مجموعے کا نام ہے۔

میں نے اپنی کتاب میں جن احادیث پر توقف کیا ہے، ان کے بارے میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

میرے نزدیک سنت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ سنتِ متواترہ ۲۔ خبرِ آحاد

سنتِ متواترہ یقین کا فائدہ دیتی ہے جبکہ خبرِ آحاد سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ ظنی ہے۔

میں جب "الازہر" میں طالب علم تھا تو اس وقت میں نے یہ پڑھا تھا کہ فرض دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے، اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ عقائد کو اخبارِ آحاد سے ثابت کرنا ممکن نہیں کیونکہ عقائد کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے اور یہ خبرِ متواتر یعنی قرآن و سنت سے ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً قبر کے عذاب یا ثواب سے متعلق حدیث کے بارے میں میری رائے تھی کہ یہ حدیث ظنی ہے، لیکن یہ حدیث قرآن مجید کے اس مفہوم کی تفسیر کرتی ہے جس کی رُو سے موت کے بعد کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث میرے نزدیک قابلِ قبول ہے، اس کا ذکر میں نے اپنی کتاب میں بھی کیا ہے۔

مختصراً یہ کہ وہ تمام عقائد جن کا ماخذ یقینیات ہیں، خواہ وہ اخبارِ آحاد ہی سے کیوں نہ ثابت ہوں، قبول کیے جائیں گے لیکن میں کسی ایسے عقیدے کو قبول نہیں کروں گا جو خبرِ واحد سے ثابت ہو لیکن قرآن مجید اور سنتِ متواترہ یعنی یقینیات میں اس کی کوئی بنیاد نہ ہو۔

"المسلمون":

وہ اخبارِ آحاد جو حدیث کی مشہور کتابوں، صحاحِ ستہ میں ہیں اور جمہور علماء بھی انھیں صحیح مانتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

شیخ غزالی:

یہ میرے اوپر اتہام ہے کہ میں سنّت کا منکر ہوں۔ میں سنّت کی مخالفت یا انکار کرنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں، لیکن اس کے بارے میں جو رائے ائمہ کبار کی ہے میں اس کی پیروی کرتا ہوں جیسا کہ میں نے امام مالک کی مثال دی ہے۔ انھوں نے اسی طرح اور بھی بہت سی حدیثوں کو رد کیا ہے۔ مثلاً: امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام جب منبر پر خطبہ دے رہا ہو تو تحیۃ المسجد جائز نہیں جب کہ اس کے حق میں صحیح حدیث موجود ہے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو سنّت کی خدمت تو کرنا چاہتے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ فقہ اور اس کے دلائل سے واقفیت نہیں رکھتے۔ شیخ ناصر الدین صاحب البانی نے اپنی کتاب میں ایک ایسی حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ گائے کا گوشت بیماری ہوتا ہے۔ امام سیوطی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ گائے کا گوشت بیماری نہیں ہوتا اور میری دلیل قرآن کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حلال چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ"[1] ۔

ڈاکٹر حسنی ابو فراحہ:

میں نے تو یہ حدیث کہیں نہیں پڑھی، اس کا ماخذ کیا ہے؟

شیخ غزالی:

امام بخاری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری عبارت یہ ہے کہ "اگر حوا نہ ہوتی تو زمانے میں کوئی عورت اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرتی اور اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گائے کا گوشت بدبودار نہ ہوتا"۔ آپ سوچیے کہ بنی اسرائیل کا گوشت کے بدبودار ہونے سے کیا تعلق ہے۔ جب آپ گوشت کو بغیر کسی حفاظتی تدبیر کے زیادہ مدت تک رکھ چھوڑیں گے تو وہ فطری طور پر خراب ہو جائے گا۔ بنی اسرائیل کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اسی طرح حوا نے آدم کی نافرمانی کیوں اور کیسے کی؟ مسیحی روایات میں ان کا ذکر ملتا ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ قرآن مجید نے ان باتوں کا انکار کیا ہے۔ اس کے مطابق آدم علیہ السلام کو شیطان نے جنت سے نکلوایا تھا، حوا نے نہیں۔

۱۔ الانعام ۶: ۱۴۳ "گائے بیل میں سے دو: نر اور مادہ"۔

صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ کوئی عادل و ضابط راوی اپنے ہی جیسے کسی شخص سے بغیر کسی شذوذ[1] اور علتِ قادحہ[2] کے روایت کو اس کے اصل ماخذ تک پہنچا دے۔

علماء کے نزدیک شذوذ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی ثقہ آدمی اپنے سے ثقہ تر کی روایت سے اختلاف کرے۔ اب اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف پڑتی ہے تو کیا میں اسے قبول کر لوں؟ مجھے اس پر توقف کرنا چاہیے؟ یہ سوال مجھ سے پہلے علماء کے ذہن میں بھی کھٹکا تھا لیکن بعض لوگوں نے اس کے جواب میں غلو سے کام لیا ہے۔

امام مالک کے مذہب کو لیجیے وہ اہل مدینہ کے عمل کی پیروی کرتے تھے اور نماز شروع کرنے کی کوئی دعا نہیں پڑھتے تھے حالانکہ حدیثِ آحاد میں اس کی نص موجود ہے۔ میں کسی مغربی ملک میں جہری نماز پڑھ رہا تھا۔ امام صاحب نے تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد بسم اللہ یا دعائے استفتاح پڑھے بغیر سورۂ فاتحہ کی قرأت شروع کر دی۔ جب میں نے مفتی صاحب سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک دعائے استفتاح سے متعلق احادیث ثابت نہیں ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اس دعا کے متعلق احادیث بخاری اور مسلم میں موجود ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام مالک اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ انھوں نے اہل مدینہ کو اس پر عمل کرتے نہیں پایا۔ اب کوئی شخص ان پر الزام نہیں لگا سکتا کہ وہ منکرِ سنّت تھے کیونکہ وہ ایک جلیل القدر فقیہ ہیں۔ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ جس چیز کو دین سے زیادہ قریب سمجھیں اس پر عمل کریں خواہ اس کے نتیجے میں کسی خبرِ واحد کو ترک کرنا پڑے۔

المسلمون:

لیکن جنابِ شیخ! آپ نے تو ان احادیث کو بھی شذوذ کے دائرے میں رکھ دیا ہے جو بخاری اور مسلم میں ہیں حالانکہ امت نے ان صحیحین کو بغیر کسی تردد کے قبول کیا ہے؟

شیخ غزالی:

۱۔ کسی ثقہ آدمی کا اپنے سے زیادہ ثقہ آدمی کی بیان کردہ روایت کے خلاف روایت کرنا۔

۲۔ مثلاً: کسی اصل قطعی کی مخالفت۔

اسی سلسلے میں میں ایک اور حدیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھوں گا جس میں بیان ہوا ہے کہ "کوئی مسلم کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔" امام ابوحنیفہ کے سوا تمام ائمہ اس حدیث کو قبول کرتے ہیں، لیکن میں امام ابوحنیفہ کے موقف کو درست سمجھتا ہوں کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ: "اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ"[1] اور ہمارے لیے قرآن مجید کی نص ہی حجت ہوگی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ یہ فقہ حنفی کے قیاس کی مثال ہے۔ قیاسِ قطعی جب حدیثِ آحاد سے متصادم ہوگا تو قیاسِ قطعی کو بہرحال ترجیح دی جائے گی۔ ایک فقیہ کے لیے اس وقت حدیث کو چھوڑ دینا جائز ہوگا۔

ڈاکٹر جمال الدین محمود:

کیا اصولِ فقہ کی بنیاد پر ہی احادیث کا رد ہوگا یا کوئی اور چیز بھی اس کو رد کرنے کا باعث بن سکتی ہے؟

شیخ غزالی:

اس کا انحصار یقیناً ایک فقیہ کی صوابدید پر ہوگا۔ میں دعوتِ دین کے سلسلے میں جب بھی کہیں گیا ہوں، مجھے لوگوں کے شبہات اور مستشرقین کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مجھ سے ایک مستشرق نے پوچھا کہ آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت بدبودار نہ ہوتا۔ گوشت کے بدبودار ہونے کی تو طبعی وجوہات ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے، میں اس حدیث کو اپنے عقیدے کی بنیاد کیسے بنا سکتا ہوں۔ کسی عقیدے کے پختہ ہونے کے لیے اس کا عقل اور فہم کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

اس حدیث میں کہ "کوئی مسلم کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا" ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا، حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ نے بھی اس کو رد نہیں کیا جیسا کہ شیخ غزالی نے فرمایا ہے۔ اس حدیث کا ایک مدعا ہے۔ اس مدعا کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث

[1] المائدہ ۵: ۴۵۔ "جان کے بدلے جان"۔

سنن ابوداؤد اور صحیفۂ ابوطالب کی روایات کے مطابق ہے۔ بخاری کی اس حدیث کی شرح اس کے شافعی اور حنفی شارحین: ابن حجر اور عینی دونوں نے کی ہے۔ عینی کا کہنا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو دوسری روایات کی روشنی میں سمجھا ہے اور اس کی شرح اس کے سیاق و سباق کے حوالے سے کی ہے۔ ابن حجر نے ایک دوسری سند کے ذریعے سے بھی یہ روایت بیان کی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ وہ روایت ہے: "لا یقتل مسلم بکافر غیر معاهد"[1] ہم جب اس وضاحت کے ساتھ حدیث کو لیں گے تو پھر اسے قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہوگی۔

"المسلمون":

ڈاکٹر صاحب، کیا آپ شیخ غزالی صاحب کے "صحیح" احادیث کو رد کرنے کے نقطۂ نظر کی مخالفت کرتے ہیں؟

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

جی ہاں، ہم پر واجب ہے کہ ہم احادیث کا انکار نہ کریں، بلکہ دوسری روایات کی روشنی میں انھیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

"المسلمون"

بخاری میں اس طرح کی جو احادیث ہیں، شیخ غزالی نصوصِ قرآنی اور سنتِ متواترہ کی بنا پر ان کا انکار کر چکے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

بخاری میں اخبارِ آحاد بھی ہیں اور اخبارِ متواترہ بھی۔ امت نے ہر دور میں بخاری میں مذکور اخبارِ متواترہ کے ساتھ ساتھ اخبارِ آحاد کو بھی قبول کیا ہے۔

بخاری اور مسلم نے احادیث کی تخریج میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔ انھوں نے ایک

[1] "کوئی مسلمان کسی غیر معاہد کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔" یعنی اگر اسلامی ریاست سے معاہدہ ہو چکا ہو تو مسلمان کو کافر کے قصاص کے طور پر قتل کیا جا سکتا ہے۔

شافعی، ابوحنیفہ، ابن حنبل، ابوبکر بن ابوشیبہ اور وکیع جو شافعی کے شاگرد ہیں، ان سے احادیث کی تخریج کی ہے۔ بلاشبہ یہ تمام لوگ سچے اور امانت دار تھے۔ بعض احادیث میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ تین یا چار راوی ہی درمیان میں حائل ہیں۔ روایت اگر اس طرح پہنچے تو اس کے غلط ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

بخاری شریف کا تقریباً تمام ائمہ نے مطالعہ کیا ہے۔ ابن کثیر، ذہبی، ابن تیمیہ، ابن قیم نے ان کی شرحیں کی ہیں اور ان کے حوالے دیے ہیں، جبکہ بیہقی نے انھی احادیث کو دوسرے طریقے سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی ان کا انکار نہیں کیا۔ جس کسی نے اختلاف کیا بھی ہے وہ نہایت معمولی قسم کا ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ بخاری اور مسلم کی شرحیں بھی نہایت افادیت کی حامل ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہم کسی حدیث کے مطابق عمل نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ہم اسے قبول کرتے ہیں، اگرچہ عمل اس کے مطابق نہ کریں۔ البتہ میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ حدیث کی بنیاد نہایت محکم ہونی چاہیے۔ اس میں سند کی پختگی اور راوی کا عادل ہونا لازمی ہے۔ روایت کو شذوذ اور علتِ مانعہ سے پاک ہونا چاہیے اور اس میں ضبطِ تام اور تحقیق کی خصوصیات ہونی چاہییں۔

شیخ غزالی:

میں ان قواعد کی نفی نہیں کرتا جو آپ نے احادیث کو پرکھنے کے لیے بیان کیے ہیں، لیکن کیا یہ قواعد روایات کو قبول کر کے عمل کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔ جب میں کسی روایت میں کوئی علت یا شذوذ محسوس کروں تو اسے کیسے قابلِ عمل سمجھ سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر "لا یقتل مسلم بکافر" والی روایت ہی کو لیجیے۔ اس پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے، جبکہ کسی عربی مسلمان نے کسی ہندوستانی، امریکی، یہودی یا نصرانی کو قتل کیا ہو۔ کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ ایک حدیثِ آحاد میں یہ اصول بیان ہوا ہے کہ کوئی مسلم کسی کافر کے قصاص کے طور پر قتل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہ مسلمان قتل نہیں ہوگا حالانکہ اس کے خلاف قرآن مجید کی نص موجود ہے کہ: اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

اس حدیث کو ہم 'لا یقتل مسلم بکافر غیر معاهد' کی روشنی میں سمجھیں تو مشکل حل ہو جائے گی۔ عینی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ اس حدیث کی تاویل 'لا یقتل مسلم بکافر غیر معاهد' والی حدیث کی روشنی میں ہوگی۔ تمام علما نے بھی اسی طریقے سے اس کو سمجھا ہے اور عمل کرتے وقت اس میں موجود اس شرط کو ملحوظ رکھا ہے۔

المسلمون:

کیا علما نے روایات میں اختلاف کے باوجود انھیں قبول کیا ہے؟

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

روایات میں اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ فہم میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض روایات میں کچھ اضافہ ہوتا ہے جو بات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

شیخ غزالی:

لیکن ابن حجر نے تو اسے روایات میں اختلاف کہا ہے۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

نہیں، ابن حجر نے اسے روایات کا اختلاف نہیں کہا بلکہ ان کی رائے یہ ہے کہ جب دو روایات دو مختلف طریقوں سے بیان ہوئی ہوں تو دونوں ٹھیک ہوتی ہیں۔ عینی کی بھی یہی رائے ہے۔ جن لوگوں نے حضرت علی کے صحیفے پر تحقیق کی ہے، انھوں نے بھی ان دونوں روایتوں پر بحث کی ہے۔ جعفر طحاوی جو حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، انھوں نے بھی اس مسئلے کی وضاحت کی ہے۔

علمائے کرام اختلافِ رائے کے باوجود آپس میں ملتے تو ہیں لیکن یہ ملاقاتیں کسی دینی فائدے پر منتج نہیں ہوتیں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ یہ تمام روایتوں کو قبول کریں۔ کہیں ابہام ہو تو اس مضمون کی دوسری روایتوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ روایات سے تعلق رکھنے والے حالات و معاملات پر بھی نظر رکھیں۔ اس طرح بہت سی باتیں واضح ہوں گی اور اختلاف بھی نہیں ہوگا۔

تاریخی طور پر زیرِ بحث روایت 'لا یقتل مسلم بکافر' کو دیکھیں تو اس کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فتح مکہ کے موقع پر کہی تھی اور ایک مرتبہ اس وقت بھی

تھی جب قبیلہ خزاعہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ ان حالات اور واقعات کو سامنے رکھ کر روایت کو سمجھا جائے تو اس کا انکار ممکن نہیں رہتا۔

"المسلمون":

ڈاکٹر صاحب، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم ایک حدیث کو صحیح تو کہیں لیکن اس پر عمل نہ کریں؟

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

یہ بڑی سادہ سی بات ہے۔ بطور وضاحت کے طور پر پہلی روایت کو پیش کرتا ہوں 'لا یقتل مسلم بکافر' کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی مسلمان کسی کافر کو قتل کرے گا تو قصاص کے طور پر مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہم محض اس روایت کی بنیاد پر عمل نہیں کریں گے، بلکہ بخاری میں مذکور روایت 'لا یقتل مسلم بکافر غیر معاهد' کی روشنی میں اس کو سمجھیں گے تو یہ روایت ہمارے لیے قابل عمل ہو جاتی ہے۔

شیخ غزالی:

تین ائمہ کا فتویٰ یہ ہے کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن امام ابوحنیفہ قصاص میں مسلمان کو قتل کرنے کے حق میں تھے اور میں ان کی رائے کی تائید کرتا ہوں۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

شیخ، اگر آپ تاریخی تناظر میں اس روایت کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا تھا۔ اس روایت کو "غیر معاہد" والی روایت کی روشنی میں سمجھیں تو ہمارے لیے قانون بنانا آسان ہوگا۔

شیخ غزالی:

اچھا یہ بتایئے کہ بخاری کی اس روایت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر حوا نہ ہوتی تو زمانے میں کوئی عورت اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرتی اور اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت بدبودار نہ ہوتا؟

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

اس کے لیے بخاری کی شرح دیکھنی چاہیے۔

شیخ غزالی:

پرانے زمانے میں اس طرح کے قصے بیان کیے جاتے تھے کہ حوا نے آدم کی نافرمانی کی۔ اسلام کا اس قصے سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح گوشت کا بدبودار ہونا ایک طبعی مسئلہ ہے جب گوشت کو بغیر کسی حفاظتی تدبیر کے زیادہ مدت تک رکھا جائے گا تو وہ خراب ہو جائے گا اور یہ چیز عقل و منطق کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

یہاں ایک نیا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ روایات کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی اساس کیا ہونی چاہیے؟

شیخ غزالی:

جو چیز عقل و منطق کے مطابق ہوگی وہ قبول کر لی جائے گی اور جو عقل و منطق کے خلاف ہوگی، اسے رد کر دیا جائے گا۔ اسے ہی علتِ قادحہ کہتے ہیں۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

قرآن مجید میں مذکور جو چیز عقل کے خلاف ہو کیا ہمیں اس کا انکار کر دینا چاہیے؟

شیخ غزالی:

قرآن مجید میں کوئی چیز عقل کے خلاف نہیں۔

ڈاکٹر احمدی ابوالنور:

کیوں نہیں، قرآن مجید میں محکم آیات تو عقل کے مطابق ہیں، لیکن متشابہات تو عقل کی گرفت میں نہیں آتیں۔

شیخ غزالی:

بعض ایسی چیزیں ہیں جن کو سمجھنا عقل کے لیے محال ہے، لیکن بعض ایسی چیزیں ہیں جن کی حقیقت ہی کو عقل نہیں پا سکتی۔ مثلاً تثلیث اور توحید کو یکساں قرار دینا محال ہے۔ اسی طرح اگر مجھ سے روشنی کی حقیقت کے بارے میں پوچھا جائے تو میں اس کا کوئی علم نہیں رکھتا، حالانکہ میں روشنی کا انکار نہیں کر سکتا۔ جس چیز کی حقیقت کو عقل نہیں پا سکتی اس میں، اور جس کو سمجھنا عقل کے لیے محال ہے، دونوں میں واضح فرق ہوتا ہے۔

جب قرآن مجید کہتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا"، تو میں نہیں جان سکتا کہ اس کا عرش کیسا ہوگا اور اللہ تعالیٰ بیٹھے کیسے ہوں گے لیکن یہ بیان عقل سے متناقض نہیں ہے۔ اگرچہ اس مسئلے پر اختلافِ رائے ہو سکتا ہے لیکن قرآن مجید میں کوئی چیز عقل سے متناقض نہیں ہے۔

ڈاکٹر احمد دی ابوالنور :

میں یہ نہیں کہتا کہ قرآن مجید میں عقل سے متناقض چیزیں بیان ہوئی ہیں، بلکہ میرا موقف یہ ہے کہ عقل اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتی۔ اگر اسی چیز کا اطلاق ہم احادیث پر کر دیں تو انھیں قبول کرنا ہمارے لیے ناگزیر ہو جائے گا۔

شیخ غزالی :

اگر ہم اس کا اطلاق اس روایت پر کریں کہ: "اگر حوا نہ ہوتی تو زمانے میں کوئی عورت اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرتی اور اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت بدبودار نہ ہوتا"، تو عقل کے لیے اس حدیث کو قبول کرنا محال ہوگا۔

ڈاکٹر احمد دی ابوالنور :

لیکن اگر ہم ایسی احادیث جن کے بارے میں عقل مطمئن نہیں ہوتی، ان کی شرحیں دیکھیں اور اسی مضمون کی دوسری روایات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں تو تمام عقلی اشکالات دور ہو جائیں گے اور حدیث کا انکار ممکن نہ رہے گا۔

ڈاکٹر عبدالجلیل شبلی :

اس حدیث سے مقصود بنی اسرائیل کے بخل کو واضح کرنا ہے کہ انھوں نے گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے لیے گوشت بے کار چیز تھی۔ اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل نے گوشت کو بدبودار کیا تھا۔

ڈاکٹر احمد دی ابوالنور :

تب تو میری بات کی تائید ہوئی کہ مسئلے کو اس کی شرح اور دوسری روایات کی روشنی میں دیکھنا چاہیے اور ثقہ علماء کی آراء سے استفادہ بھی کرنا چاہیے۔

"المسلمون":

شیخ، کیا آپ ان دو تین حدیثوں کے عقل کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے تمام احادیث کی از سرِ نو پڑتال کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

شیخ غزالی :

دو تین نہیں، بلکہ بہت سی ایسی احادیث ہیں جو محلِ اختلاف ہیں۔ میرے نزدیک اصول یہ ہے کہ جب کوئی حدیث علمی حقیقت اور تاریخی قطعیت کے خلاف ہو، تو اسے رد کر دیا جائے گا، کیونکہ ایسی حدیث ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ اور قطعیت بہرحال ظن پر مقدم ہے۔

ڈاکٹر حسینی ابوفرحہ :

مولانا! آپ کا موقف یہ ہے کہ ایسی حدیث خواہ صحیح بخاری میں ہو یا صحیح مسلم میں، اسے رد کر دینا چاہیے؟

شیخ غزالی :

جی ہاں! اس لیے کہ امام بخاری معصوم تھے نہ امام مسلم۔ دونوں انسان تھے اور غلطی کر سکتے تھے۔ میں نے کوئی نیا استدلال نہیں کیا بلکہ ہمارے علما نے ان اصولوں کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ بھی احادیث کو کچھ شرائط کے ساتھ قبول کرتے تھے جن میں سے پہلی شرط بغیر کسی شذوذ اور علتِ قادحہ کے عادل و ضابط راوی کا سند کی انتہا تک پہنچ جانا ہے۔

بخاری ایک روایت میں قرآن مجید کی ایک آیت اس طرح نقل کرتے ہیں: "وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ وَالذَّكَرِ وَالْأُنثَىٰ" میں کہتا ہوں کہ یہ روایت درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں یہ آیت یوں ہے: "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ"[1] لیکن روایت میں "وَمَا خَلَقَ" نہیں ہے۔ یہی معاملہ اسی طرح کی دوسری احادیث کے ساتھ ہوگا۔ غرض یہ کہ ہر وہ حدیث جو یقینی قطعی کے خلاف ہو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

مجھے ایک مرتبہ کسی شخص نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جہنم میں ہوں گے۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے صحیح مسلم کی یہ روایت بیان کی کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے نبی کریم

---

[1] سورۃ اللیل ۹۲ : ۱-۳ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے روز میرے باپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا باپ اور تمھارا باپ دونوں آگ میں جائیں گے۔

میں اس حدیث کو موضوع سمجھتا ہوں کیونکہ یہ قرآن مجید کی نصِ صریح کے خلاف ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا"[1] اور قرآن مجید ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی طرف ان سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔ سورۃ سبا میں ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ"[2] ایک اور مثال اسی سلسلے میں پیش کرتا ہوں۔ فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ مجھے تمیم الداری نے بتایا کہ میں نے دجّال اور دابۃ الارض کو بحرِ روم یا بحرین میں قید دیکھا ہے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ کئی لوگ ان سمندروں اور جزیروں سے ہو کر آئے ہیں لیکن انھیں کہیں دابۃ الارض اور دجّال دکھائی نہیں دیے۔

بہرحال میں ہرگز اس بات کے لیے تیار نہیں ہوں کہ ان احادیثِ آحاد کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور اسلام کے پیغام کو پسِ پشت ڈالوں۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے بھی اس طرح کی احادیث کو رد کیا ہے لیکن کسی نے انھیں منکرِ سنّت نہیں کہا۔

"المسلمون":

اس دور میں احادیث کی چھان بین کا کیا فائدہ ہوگا جب کہ امّت کئی صدیوں سے انھیں قبول کرتی چلی آرہی ہے؟

شیخ غزالی:

میں ذاتی طور پر احادیث کی ازسرِنو تحقیق کی بہت اہمیت محسوس کرتا ہوں۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں جنھیں میں نے اپنی کتاب "السنۃ النبویۃ بین اہل الفقہ واہل الحدیث" میں بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ موضوع احادیث سے ہمارے دین کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں جب بھی کسی اسلامی ملک میں جاتا ہوں، مجھے لوگوں کے عجیب عجیب سوالوں کا سامنا

---

[1] ۱۷: ۱۵ "اور ہم عذاب دینے والے نہیں، جب تک کسی رسول کو نہ بھیج لیں۔"

[2] ۳۴: ۴۴ "اور نہ ان کی طرف تم سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔"

کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً کیا واقعی حضرت موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی تھی؟ یہ روایت بخاری میں موجود ہے۔ ہم نے اپنی امّت کو اس قسم کے مسائل میں الجھا کر دین کے اصل مقصد سے بے خبر کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کا نہ تو عقیدے سے کوئی تعلق ہے اور نہ ایمان کے مکمل ہونے سے۔

میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ اس طرح کی حدیثیں استعماری دفتروں میں گھڑی جاتی ہیں تاکہ امّت کو دین کے بڑے بڑے حقائق سے بے خبر رکھا جائے۔

اسی طرح مجھے ایک جگہ بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرنے کا موقع ملا۔ یہاں سوال و جواب کی آزادی نہ تھی۔ ایک آدمی نے بہت اصرار کے بعد سوال کرنے کی اجازت لی اور پوچھا کہ سرکہ حرام ہے یا حلال؟ میں اس کا سوال سن کر حیران ہوا کیونکہ میرا خیال تھا کہ وہ بہت اہم سوال پوچھنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا آپ کی مراد اس سرکے سے ہے جسے شراب میں تحلیل کر کے پیا جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، میری مراد محض سرکے سے ہے۔ میں نے کہا کہ سرکہ حلال ہے۔ اس نے مجھ سے دلیل مانگی۔ میں نے کہا دلیل کی ضرورت حرام چیزوں کے لیے ہے۔ حلال چیزوں کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں۔

میں سرکے کے حلال ہونے پر دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کر سکتا تھا کہ "نعم الادام الخل" لیکن میں اس کو دین پر غور کرنے کا اصول بتانا چاہتا تھا کہ دلیل حرام کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے، مباحات پر دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ میں ابوظبی گیا۔ وہاں بھی مسجد میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ سرکہ حرام ہے یا حلال؟ میں حیران ہوتا تھا کہ اسلامی ملکوں میں اس طرح کے سوالات کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ مجھے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ استعماری حاقتیں اور نصرانی دفاتر اس طرح کی کارروائیاں کرتے ہیں، تاکہ امّتِ مسلمہ کو ان کے اصل کاموں سے روک کے رکھا جائے۔ ان کی سازشوں کا محرک ہمارے دین کو رسوا کرنا اور اسے نقصان پہنچانا ہے۔

موسیٰ کے ملک الموت کی آنکھ پھوڑنے والی حکایت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ کسی عقلِ سلیم رکھنے والے آدمی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اسے قبول کرے۔ حضرت موسیٰ اللہ کے نبی

تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ نے جس کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے، اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ موت سے ڈرتے تھے؛ اس لیے انھوں نے اللہ کے مقرب فرشتے عزرائیل کی آنکھ پھوڑ دی۔

"المسلمون":

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہو جانے کا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت ہے۔ دعوت کی راہ میں یہ روایت بڑی دشواری پیدا کرتی ہے اور ذہن میں تشکیک پیدا کرنے والوں کے لیے ایک اور فتنے کا راستہ کھولتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر صاحبِ رسالت پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے اور چھ مہینے تک اس کا اثر رہ سکتا ہے تو پھر دین محفوظ کیسے رہا؟ کیا ہمیں اس حدیث کو رد کر دینا چاہیے؟

ڈاکٹر محی الدین صافی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہو جانے کا ذکر بخاری میں ہے۔ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ آپ پر جادو کا اثر ہو جانا اسی طرح ممکن ہے، جس طرح آپ نماز میں بھول گئے تھے تاکہ مسلمان جان لیں کہ اگر غلطی ہو جائے تو نماز کیسے پڑھی جائے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر بس اتنا ہوا تھا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے بارے میں گمان کرتے کہ ان سے مل آئے ہیں، درآں حالیکہ آپ ان کے پاس نہیں گئے ہوتے تھے۔ عقل و بصیرت اور فرائضِ رسالت میں جادو کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

شیخ غزالی:

(نہایت غصے سے) یہ حدیث جھوٹی ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا۔ رسول براہِ راست اللہ کی پناہ میں ہوتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس پر چھ مہینے تک جادو کا اثر رہے۔

ڈاکٹر محی الدین صافی:

شیخ! امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح بخاری میں لیا ہے اور کسی عالم نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔

شیخ غزالی:

امام بخاری صاحب نے لکھا ہے کہ جب لبید بن اعصم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو سورتیں نازل ہوئیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ مصحف سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معوذتین مکہ میں نازل ہوئیں اور جادو کا قصہ مدنی دور میں بیان کیا جاتا ہے[1]۔ اب ہمیں مصحف کی سچائی پر یقین رکھنا چاہیے یا بخاری کی؟

ہر وہ آدمی جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو اس پر کسی قسم کا شیطانی عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ جب کوئی انسان حسی طہارت کو وضو اور قلبی طہارت کو اللہ کے ذکر اور معیت سے حاصل کرے تو پھر وہ انسانوں اور جنوں کے کسی بھی برے عمل سے محفوظ رہے گا۔ ایک عام انسان اللہ کے ذکر سے جادو کے اثر سے محفوظ ہو سکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی کے جادو کا اثر کیسے ہو گیا حالانکہ حضور اگر سو بھی رہے ہوتے تو آپ کا دل اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا تھا۔ آپ کے شب و روز اللہ کے کاموں میں بسر ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔

ڈاکٹر سید رزق طویل:

اس طرح کے مسائل کے پیش آنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے بخاری کو قرآن مجید کا مقام دیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بعض لوگ بخاری کی قسم اسی طرح کھاتے ہیں جس طرح قرآن مجید کی کھاتے ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے ائمہ نے بے شک، حدیث و فقہ پر بہت کام کیا ہے۔ ہم ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں لیکن کوئی شخص اگر کسی حدیث پر عمل کرتا رہا اور اب غور و فکر اور تحقیق کے بعد اسے رد کرتا ہے تو اس پر منکرِ حدیث اور دشمنِ سنت جیسے الزامات لگانا مناسب نہیں ہے۔

ہم احادیث کا انکار کرتے ہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ تمام حدیثیں گھڑی ہوئی ہیں۔ قرآن مجید، سنتِ متواترہ اور عقل سے متناقض احادیث کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں اور دین کے معاملے میں یہی صحیح رویہ ہے۔ مثال کے طور پر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہو جانے والی حدیث پر توقف کرتا

---

[1] شیخ کا یہ دعویٰ محلِ نظر ہے۔ مصحف کی ترتیب سے تو اس کے برخلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں یقیناً مدنی ہیں۔ (مدیر)

ہوں کیونکہ آپ کے مخالف جب آپ کو سحر زدہ کہتے تھے تو قرآن مجید نے ان کی اس بات پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا:

إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا. انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا۔
(بنی اسرائیل ۱۷، ۴۷-۴۸)

"جب یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کے پیچھے چل پڑے ہو دیکھو، تم پر کیسے فقرے چست کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بھٹک گئے ہیں، کوئی راہ نہیں پا رہے ہیں۔"

سورۂ مائدہ میں ہے:

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔
(۵: ۶۷)

"اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔"

ڈاکٹر جمال الدین:

میں اس سال اسکندریہ گیا۔ وہاں کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ خطبے کا موضوع سحر ہی سے متعلق تھا۔ خطیب صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہو جانے والا قصہ بیان کیا اور بخاری شریف کی مذکورہ روایت کا بھی حوالہ دیا۔ نماز کے بعد ایک آدمی میرے پاس آیا اور اس روایت کے بارے میں میری رائے پوچھی۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ سے افضل مانتے ہو؟ اس نے جواب دیا، ہاں، آپ حضرت موسیٰ سے افضل تھے۔ میں نے کہا کہ فرعون اور اس کے لشکر کے جادو نے حضرت موسیٰ پر بالکل کوئی اثر نہیں کیا تھا البتہ حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے خوف کو دور کرتے ہوئے انھیں غلبے کی بشارت دی۔

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ. قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ۔
(۲۰: ۶۷-۶۸)

"موسیٰ دل ہی دل میں کچھ ڈرا۔ ہم نے کہا ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنی معیت کا یقین دلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ آپ رسول کی حیثیت سے اللہ کی حفاظت میں تھے۔ لبید بن اعصم ان پر چھ مہینے تک جادو کا اثر کیسے قائم رکھ سکتا تھا؟

ڈاکٹر عبدالجلیل شلبی:

میرے خیال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر صرف بیویوں کے معاملات کی حد تک تھا۔

محی الدین صافی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر اس لیے ہوا کہ لوگوں پر جادو کی حقیقت واضح ہو سکے اور وہ جان لیں کہ بشر پر جادو ہو سکتا ہے۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہو جانے کا انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ آپ پہلے بشر تھے اس کے بعد کچھ اور۔ قرآن مجید میں جادو کے موثر ہونے کا ذکر ہے اس لیے اس روایت کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔

ڈاکٹر رزق طویل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے منصب پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحیثیت رسول لوگوں کے شر سے محفوظ رکھا نہ کہ بحیثیت محمد ابن عبداللہ کے۔ رسالت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی۔ کیا ان چھ مہینوں میں وحی کا نزول منقطع ہو گیا تھا؟

محی الدین صافی:

نہیں وحی کا نزول تو ہوتا رہا تھا۔

ڈاکٹر رزق طویل:

تب تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ تمام عرصہ آپ کی عصمت محفوظ رہی۔ عقلی اور ذہنی طور پر بھی ہمیشہ تندرست رہے نتیجتاً ازواج کے معاملے میں جادو ہو جانے والی تفسیر بھی غیر مقبول ہو جائے گی۔

شیخ غزالی:

بہرحال، میرا موقف یہ ہے کہ دو یقین ایسے ہیں جن کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں:

۱۔ یقین علمی ، ۲۔ یقین دینی

(بقیہ ص پر)

قرآن کی بعض نمایاں خصوصیات

محمد ادریس فلاحی ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

قرآن خدا کی کتاب ہے۔ یہ خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور آخری شریعت نازل ہوا ہے۔ اس سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ نے بہت سی کتابیں نازل کیں، ان کتابوں میں خدا کے احکام ہوتے تھے ان احکام میں "توحید" کو مرکزیت حاصل تھی۔ مولانا صدرالدین اصلاحی فرماتے ہیں "...... دوسرے ہر دین کا حال یہ ہے کہ اس کے احکام کا مجموعہ بھی نسبتاً مختصر اور محدود تھا اس کے خطاب کا دائرہ بھی محدود تھا اور اس کے نفاذ کی مدت بھی محدود تھی"۔[۱] قرآن خود کہتا ہے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد۔ ۷)

اور ہر قوم کے لئے الگ الگ رہنما ہوتا ہے۔

بقول ڈاکٹر اسرار احمد (مدیر ماہنامہ میثاق لاہور)...... "شریعت موسوی اور شریعت محمدیؐ کے مابین عبادات اور معاملات کے تفصیلی احکام میں نمایاں فرق ہے......"[۲] وقت کے گزرنے اور حالات کے بدلنے کیساتھ ساتھ احکام و ہدایات میں بھی حذف اور اضافے ہوتے رہے گذشتہ شریعتیں ہیں اس طرح کی تمام تر تبدیلیوں کی حکمت و مصلحت یہی تھی کہ دنیا کو ایک جامع مکمل اور مستقل "شریعت" کی ضرورت تھی، خداتعالیٰ نے اس کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرما کر انسانوں کی اصلاح و ہدایت کا سامان فراہم کیا ہے۔

قرآن حکیم کے مکمل اور مستقل ضابطۂ حیات ہونے کی مندرجہ ذیل بنیادی وجوہ ہیں۔

(۱) قرآن خالص اللہ کا کلام ہے، جو حضرت جبریلؑ کی وساطت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (السجدۃ۔ ۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا تمام جہاں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

---

[۱] اسلام ایک نظر میں طبع چہارم ۱۹۸۲ء

[۲] نبی اکرمؐ کا مقصد بعثت ڈاکٹر اسرار احمد ص ۳۶

حضرت جبریلؑ نے خدا کے حکم سے آپ پر نازل کیا ہے۔ خدا کا ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرۃ۔ ۹۷)

کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصہ میں مر جانا چاہیے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے۔

(۲) قرآن ہر طرح کے اختلاف و تضاد سے پاک ہے۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (البقرۃ۔ ۲)

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں شک نہیں

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء ۸۲)

اگر یہ قرآن اللہ کے بجائے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے۔

(۳) قرآن گذشتہ آسمانی کتب اور انبیاء کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ (اعراف۔ ۱۵۷)

جو اس امی رسول اور نبی کی پیروی اختیار کریں جس کا تذکرہ وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا موجود پا رہے ہیں۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدۃ۔ ۴۸)

اور اے محمدؐ ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے۔ جب کہ وہ اپنے سے پہلے والی کتابوں (کی پیشین گوئیوں) کے عین مطابق اور ان کی مہیمن (محافظ) بھی ہے

(۴) قرآن پچھلی تمام شریعتوں کا ناسخ ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (۱) (البقرۃ۔ ۱۰۶)

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔

---

(۱) کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ آیت خود قرآن میں نسخ کے متعلق وارد ہوئی ہے (راقم)

ایک حدیث میں آپؐ نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق جو بات فرمائی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پچھلی شریعتوں کا ناسخ ہے۔

عن جابرؓ ان عمرؓ ابن الخطابؓ قال ... قال رسول اللهؐ والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیاً و ادرک نبوتی لاتبعنی

(رواہ الدارمی بحوالہ مشکوٰۃ باب فضائل القرآن ص ۳۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تمہارے درمیان حضرت موسیٰؑ ہوں اور تم ان کی شریعت کی پیروی کرنے لگو اور میری شریعت کو چھوڑ دو تو تم سیدھی راہ سے ہٹ جاؤ گے اور جان رکھو کہ اگر موسیٰؑ باحیات ہوتے اور میری نبوت وہ پاتے تو ان کے لئے میری اتباع ضروری ہوتی۔

آپؐ نے اس حدیث میں اپنی شریعت کی قطعیت اور پچھلی شریعت کی منسوخی کے ضمن میں جو قسم کھائی ہے یہ دراصل اس بات کا فیصلہ ہے کہ اگر تم موسیٰؑ کی شریعت کی اتباع کرو اور میری شریعت کو چھوڑ دو تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۷) قرآن حکیم مکمل اور آخری شریعت ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ - ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

بقیہ صٖ گذشتہ بلکہ اس کا تعلق پچھلی شریعتوں سے ہے اس لئے کہ قرآن میں منسوخ نہیں ہے قرآن میں جہاں ناسخ منسوخ کی بات کہی جاتی ہے وہاں دراصل اس کی وجہ قلت تدبر ہوتی ہے۔ کہاں اجمال ہے کہاں تفصیل، کہاں کس سیاق وسباق میں بات بیان ہوئی ہے اور نظم کلام کا کیا تقاضہ ہے؟ ان تمام باتوں کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے اس طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے امام ابو مسلم اصفہانی ؒ نسخ کے متعلق فرماتے ہیں "لم یقع شیء من ذلک فی القرآن" (قرآن میں نسخ کے سلسلہ میں کوئی چیز واقع نہیں ہے، مختصر تفسیر ابن کثیر ج اول طبع ہفتم ص ۱۰۵)

(۸) قرآن محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری قیامت تک کے لئے خدا نے اپنے ذمہ لی ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۹)

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن کا یہ وہ مقام اور مرتبہ ہے جو اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہ تھا۔ کتابیں بہت سی لکھی گئیں اور لکھی جاتی ہیں لیکن ان کے مضامین کسی خاص پس منظر میں اور مخصوص حالات کے لئے ہوتے ہیں۔ ان میں گوناگوں خامیاں اور کمزوریاں ہوتی ہیں۔ ان میں ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ان میں خواہشوں اور جذبات کا بھی دخل ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان کو رد بھی قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے کہ یہ ہر عہد اور ہر زمانے کے لئے ہے اس میں کسی بھی قسم کا جھول اور کمزوری نہیں ہے، یہ خواہشوں اور جذبات سے بے نیاز ہے اور قیامت تک کیلئے ہدایت کا ذریعہ ہے —— مولانا صدر الدین اصلاحی کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ "—— یہ جہت سے ایک مکمل ہدایت نامہ ہے وہ ایک ایسا دین ہے، ایک ایسی شریعت ہے، ایک ایسا نظام فکر وعمل ہے جس میں انسان کے اعتقادی اور عملی، ظاہری اور باطنی، انفرادی اور اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی غرض ایک ایک شعبۂ زندگی سے متعلق ہدایات موجود ہیں ——" (قرآن مجید کا تعارف طبع اول ص۵۳)

ضرورت مینیجر

ماہنامہ مجلہ "حیات نو" کے لئے ایک ہمہ وقتی مینیجر کی ضرورت ہے۔ معقول مشاہرہ کے علاوہ قیام کا انتظام بھی ادارہ کی طرف سے رہے گا۔ فلاحی برادری اور تحریک سے وابستہ افراد کو ترجیح دی جائے گی۔ لیاقت کی تفصیلات کے ساتھ ادارہ سے رابطہ قائم کریں۔

(یوپی)
ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج، اعظم گڑھ

ابو سفیان اصلاحی
ایم۔اے، ایم فل، علی گڑھ

محمد طفیل۔ محمد نقوش

اردو رسائل میں "نقوش" غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ادبی حیثیت سے اردو کا کوئی رسالہ نقوش کا ثانی نہیں۔ گیسوئے اردو کو سنوارنے میں اس رسالے کی عظیم خدمات ہیں۔ ہند و پاک کے معروف قلمکاروں کی تخلیقات اس میں شائع ہوئیں۔ یہ رسالہ اردو ادب میں حوالہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

اس رسالے کو ترقی کی اس سطح پر پہنچانے کا سہرا محمد طفیل مرحوم کے سر ہے۔ محمد طفیل مرحوم ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد محترم کی شفقت سے محروم ہو گئے، چنانچہ ہائی اسکول کے بعد انہیں تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ کیونکہ بڑے ہونے کے ناطے گھر کی ذمہ داری ان کے سر آن پڑی۔ گھر کے اخراجات کے پیش نظر انہوں نے کتابت سیکھی اور اس میں مہارت اتنی پیدا کر لی کہ اپنے استاد کو بھی مات کر گئے۔ ۱۹۴۸ء میں نقوش کا لاہور سے اجرا کیا اور ۱۹۵۱ء میں "روح ادب" کے نام سے ایک رسالہ کراچی سے جاری کیا۔ نقوش کی ادارت احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کے ذمہ تھی۔ اور روح ادب کی ادارت خود خدیجہ مستور کے تعاون سے انجام دیتے۔ کتابت سے جو کچھ کماتے وہ ان رسالوں میں جھونک دیتے۔ محمد طفیل مرحوم کے اس "طریقہ کار" سے گھر والوں کو تشویش لاحق ہوئی کیونکہ گھریلو اخراجات سے ہٹ کر ان کی توجہ کا مرکز یہ دونوں رسالے بن چکے تھے۔ گھر والوں کے اضطراب کے پیش نظر روح ادب کو طاقِ نسیان کے سپرد کر دیا اور اب پوری تندہی سے نقوش پر جٹ گئے۔ حالات کی پیچیدگی اور کچھ نظریاتی اختلافات کے

مد نظر اس کی ادارت سے احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور نے خود کو الگ کر لیا۔ اب اس رسالے کی تمام تر ذمہ داریاں محمد طفیل مرحوم پر آگئیں۔[۱] یہ ایک ہائی اسکول کے فارغ التحصیل اور کاتب کے لئے بہت بڑا چیلنج تھا۔ محمد طفیل مرحوم نے اس رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔

اس رسالے میں ایسا گم ہو گئے کہ اپنی حق تلفی کے ساتھ ساتھ اہل خانہ کے حقوق کی انجام دہی سے بھی بے پرواہ ہو گئے، جس کی بار بار ان کی بیگم اور بچوں نے شکایتیں کیں۔

ان کے صاحبزادے جناب جاوید طفیل صاحب جب ایم کام کرنے کے بعد نقوش پریس آئے اور کاروبار دیکھنا شروع کیا تو دیکھا کہ رسالہ نقوش کی وجہ سے کاروبار میں بڑا خسارہ ہو رہا ہے۔ جب اس خسارے کا بار بار تذکرہ اپنے والد محترم سے کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو منع نہیں کرتا ہے کہ تم نقوش ہی سے اپنی طبع آزمائی کا آغاز کرو۔[۲] اس رسالے سے محمد طفیل صاحب کو عشق تھا، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی نوک و پلک سنوارنے میں صرف کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج یہ رسالہ علمی دنیا میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ابوالکلام آزاد نے پنڈت جواہر لال نہرو سے اس لئے ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ اس وقت نقوش کے صفحات میں سرگرداں تھے۔

نقوش نے مختلف موضوعات اور شخصیات پر خصوصی نمبر بھی پیش کئے ہیں۔ اردو کے بیشتر رسائل نے نمبر نکالے لیکن نقوش کے نمبروں کے بالمقابل اردو رسالوں کے نمبروں کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ میر تقی میر نمبر کے طلوع میں محمد طفیل مرحوم نے لکھا ہے۔

"میری سوچ ہمیشہ یہی رہی ہے کہ جو کام دوسرے کر سکتے ہوں اسے ادارہ نقوش کیوں کرے وہ کیوں نہ کسی نئی مہم پر نکلے کیوں نہ وہ محنت و دیدہ کا کوئی اور امتحان دے۔"

۱؎ جاوید طفیل، وقت کے بہتے دھارے کے ساتھ، نقوش لاہور، جولائی ۱۹۸۶ء، شمارہ ۱۳۴ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۰

اب تک نقوش کے درج ذیل نمبر آچکے ہیں (۱) پطرس نمبر ۱۹۵۳ء سے ۱۹۸۳ء تک؛ (۲) پچیس سالہ نمبر (۳)؛ غزل نمبر (۴)، دو شخصیات نمبر (۵)، تین خطوط نمبر (۶)، مکاتیب نمبر (۷)، دس سالہ نمبر (۸)، ادب عالیہ نمبر (۹)؛ لاہور نمبر دو جلدوں میں (۱۰)، آپ بیتی نمبر (۱۱)؛ تین غالب نمبر (۱۲)، طنز و مزاح نمبر (۱۳)؛ پطرس نمبر (۱۴)؛ شوکت نمبر (۱۵)، منٹو نمبر (۱۶)، اقبال نمبر دو جلدیں (۱۷)، میر تقی میر نمبر تین جلدیں (۱۸)، ادبی معرکے نمبر دو جلدیں (۱۹) اور انیس نمبر۔ درج ذیل تمام نمبرات تحقیق و تنقید کے لحاظ سے اپنی نوعیت کے منفرد ہیں۔ یہ نمبرات اپنے اپنے موضوعات پر دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ محمد طفیل مرحوم نے تنہا اس رسالے کے ذریعہ اردو ادب کی وہ خدمت انجام دی ہے کہ جس کی دور دور تک کوئی مثال نہیں ملتی اور آئندہ بھی شاید ہی کوئی محمد طفیل صاحب کے اس رتبے کو پا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محمد طفیل سے محمد نقوش بن گئے۔

ان عظیم ادبی خدمات کے بعد وہ عمر کے آخری مرحلہ میں اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے بارگاہ رسالت میں "رسول نمبر" کا نذرانۂ عقیدت لے کر حاضر ہوئے۔ یہ رسول نمبر ۱۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس کے کل صفحات ۹۰۰۸ بنتے ہیں۔ ۱۹۷۵ء سے رسول نمبر کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کام کے لئے انھوں نے بے شمار خطوط لکھے اور مختلف سفر کئے۔ خطوط اور سفر کے ساتھ نجانے کتنی راتیں جاگی ہیں۔ دس سال کی مسلسل جدوجہد اور ان تھک جانفشانیوں کے بعد رسول نمبر کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا اور ۱۹۸۵ء میں جاکر رسول نمبر کی ۱۳ جلدیں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ محسن انسانیت کی حیات مقدسہ پر اتنا جامع اور اتنا کثیر مواد کسی زبان میں نہیں ملے گا۔ رسول نمبر کے متعلق ان کی رحلت کے بعد ان کے کاغذات سے یہ تحریر ملی۔

"رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہر دم میرے پاس رہتے۔ مگر میں ان کے پاس نہیں تھا۔ آج وہ مرحلہ بھی طے ہوا۔ میں ان کے قدموں میں موجود تھا۔"[1]

---

[1] نقوش لاہور جولائی ۱۹۸۹ء۔ ۱۳۵/۱ ص ۱۴۳

رسول نمبر کو منظر عام پر لانے کے لئے انھوں نے اپنا ایک پریس بھی بیچ دیا اور اپنے صاحبزادے جناب جاوید طفیل صاحب سے فرمایا کہ اگر ضرورت ہو تو اپنی مشین بیچ کر اس نمبر کو شائع کرنے جارہا ہوں اور لوگ اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر اسے خریدیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جاوید طفیل صاحب نے ۱۹۸۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ایک نشست میں بتایا کہ اس نمبر نے ہمیں مالی اعتبار سے بے انتہا نوازا اور کاروبار میں ناقابل بیان اضافہ ہوا۔ اس نمبر پر حکومت پاکستان نے محمد طفیل صاحب کو "نشانِ امتیاز" سے نوازا۔

نقوش کو نقوش بنانے میں محمد طفیل صاحب کی بے پناہ قربانیاں ہیں۔ انھوں نے گھر والوں کو نظر انداز کیا، اپنی صحت خراب کر ڈالی، نقوش پریس اس کی وجہ سے متاثر ہوا اور ایک وقت وہ آیا کہ اس کی تزئین و آرائش میں بیوی کا زیور بھی بیچ ڈالا۔ وہ خود اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"بیگم میں غالب نہیں کہ بلاوجہ سو سو عیب نکالوں۔ میں آپ کا شکر گزار کہ آخر رہے ہوں۔ میرا تنگ دستی میں ساتھ دیا۔ جب حالات قدرے سنبھلے تو آپ نے اپنی آسائشوں کا نہ سوچا۔ مجھے کیونکہ نہیں چھوڑ دیا۔ میں آپ کو وہ کنگن بھی نہ بنا کے دے سکا۔ جو نقوش کی خاطر بیچنے پڑے تھے۔ آج یہ نقوش کے گلے میں گلوبند ہے وہ آپ کا ہی تو ہے۔"[1]

نقوش کے حوالے سے علمی دنیا کو یہ سب دے کر یہ عظیم شخصیت ۵ جولائی ۱۹۸۶ء کو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ ان کی اس ۳۵ سالہ خدمت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس طفیل جلیل کی روایت کو زندہ رکھنے کے لئے ان کے صاحبزادے جناب جاوید طفیل صاحب میدان میں اتر آئے۔ کیونکہ وہ نقوش کو اپنا قیمتی اثاثہ اور اپنی شناخت قرار دیتے ہیں۔ اپنے والد محترم کے بعد کئی سالنامے بڑی خوش اسلوبی سے نکالے ہیں۔ والد محترم کی یاد میں (۱۹۸۷ء میں) نقوش کے دو نمبر بھی نکالے جو ۱۸۰۲ صفحات پر

---

[1] ایضاً ص ۲۹۵

مشتمل ہیں۔ اس میں ہند و پاک کے اہل قلم کی تخلیقات، نقوش کا اشاریہ اور خود محمد طفیل مرحوم کے آٹھ خاکے نیز ان کے مکاتیب شامل ہیں۔ نقوش کے اس طفیل نمبر سے طفیل صاحب کی ذات کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔

ابھی تک رسالہ نقوش کی روشنی میں محمد طفیل صاحب کی شخصیت کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔ اب ہم تدریسے ان کی تحریر سے بحث کریں گے۔ محمد طفیل صاحب کی تحریریں تین شکلوں میں موجود ہیں ایک خاکے، طلوع کے نام سے نقوش کے اداریے اور مزید کی تعداد میں ان کے خطوط۔ ان میں ان کے خاکوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ایک خاکہ نگار کی حیثیت سے ادبی دنیا میں انھیں غیر معمولی قدر و منزلت حاصل تھی جس طرح وہ ایک کاتب، پبلشر اور مدیر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے اسی طرح انھوں نے ادبی دنیا کو یہ بھی کر دکھایا کہ وہ ایک اچھے خاکہ نگار بھی ہیں۔ خاکہ نگاری اردو ادب کی ایک مشکل ترین صنف ہے وہ خود کہتے ہیں" میں خاکہ نگار ہوں۔ یہ صنف میں نے اس لئے اختیار کی ہے کہ اسے میں سب سے مشکل صنف سمجھتا ہوں۔ میں نے سوچا تھا اگر امتحان دینا ہی ہے تو سب سے مشکل پرچہ حل کیا جائے۔ بحمداللہ آج میں اپنی تحریری کاوشوں پہ بھی خوش ہوں گو ابھی مطمئن نہیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں[1]

محمد طفیل صاحب کے خاکے درج ذیل مجموعوں پر مشتمل ہیں (۱) صاحب (۲) جناب (۳) محترم (۴) مکرم (۵) معظم (۶) محبی (۷) مخدومی (۸) اور آپ۔ ان مجموعوں کے عنوان سے واضح ہے کہ مختلف شخصیات کے لئے مختلف خانے متعین کئے۔ محمد طفیل صاحب کے خاکوں کے مطالعہ سے یہ بخوبی واضح ہے کہ وہ نفسیات کے ماہر تھے۔ انھوں نے ہمیشہ وہی کہا جو کچھ محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے خاکوں کی وجہ سے عداوت بھی مول لینی پڑی۔ ان کے خاکوں میں مزاح بھی شامل ہوتا۔ ان خاکوں کو پڑھنے سے ایک حلاوت اور فرحت محسوس ہوتی ہے۔ آپ کا

[1] نقوش ۱/۱۳۵، جولائی ۱۹۸۶ء ص ۱۶۹

اسلوب عام فہم ہے۔ پیچیدہ الفاظ و تراکیب سے ہر ممکن اجتناب کرتے ہیں۔ ان کی خاکہ نگاری کے سلسلے میں مجنوں گورکھپوری کا خیال ہے۔

" طفیل کا انداز بیان سادہ اور بے تکلف ہے۔ ان کے مزاج میں مزاح کا ایک میلان ہے جو جذب شوخی کی حد سے آگے نہیں بڑھتا۔ وہ کسی کا مضحکہ نہیں اڑاتے۔ ہجو و استہزا ان کا شیوہ نہیں۔ کسی کو رسوا کرنا ان کا مقصد نہیں۔ شخصیتوں کے مزاج و کردار میں ان کو جو خوبیاں ملتی ہیں۔ ان کو تمام کمزوریوں کے ساتھ جو چھپی رہتی ہیں، ہلکی پھلکی ظرافت اور ایک فنکارانہ انداز میں بغیر جھجکے سب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور یہ انداز ان کا اپنا ہے اور بس یا باقی پھر!"[1]

نقوش کے ہر نمبر میں ان کی دو تحریر ہوتی (۱) طلوع (۲) اور "اس شمارے" ان دونوں سے پوری طرح ان کی جدت طرازی اور شگفتہ مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں بڑے پیچیدے الفاظ اور جملوں کا استعمال کرتے چھوٹے چھوٹے جملوں میں مفاہیم و معانی کی دنیا آباد کر دیتے۔ یہ دونوں تحریریں ان کے طرز اسلوب میں نمائندہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہاں ان کا ایک اداریہ بعنوان "طلوع" رسول نمبر سے پیش کیا جا رہا ہے جسے انھوں نے زیارت روضۂ رسول سے قبل تحریر کیا تھا۔

" میں ادنیٰ گنہگار ہوں۔ دربار رسول تک کون سا جذبہ لے آیا۔ یہ بھی نہیں جانتا مجھے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں۔

میں نے آج تک جو کچھ بھی کیا اس کی بھی توفیق نہ تھی۔ اس سے جسے اہل نظر نے جو کچھ دیکھا وہ بھی میری سعی کا نہیں تائید کا نتیجہ ہے۔

میرے حصے میں کیا آیا؟ حیرانی صرف حیرانی!

[1] مجنوں گورکھپوری۔ ایک جدید شخصیت نگار۔ نقوش ۲/۳۵۔ جولائی ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۱۶۰

آج بھی میں جو کچھ لے کر حاضر ہوں۔ یہ توفیق نہیں انعام ہے کیونکہ مجھے اپنے گناہوں کا حال دوسروں سے زیادہ معلوم ہے۔

مجھ سے جو کچھ مولا نے لیا ہے وہ دے رہا ہے، کیونکہ میں تو اپنی ذات میں نارسائیوں کی پوٹ ہوں اور کچھ بھی نہیں ہوں!

میری گنہگاری اپنی جگہ۔ توفیق ایزدی اپنی جگہ۔ مگر سوال یہ ہے کہ میرے اس سفر شوق کا حال کچھ میرے رسولؐ کو بھی معلوم؟

میں حاضر ہوں یا رسولؐ اللہ!

میں حاضر ہوں!

میں حاضر![1]

محمد طفیل مرحوم کے خاکوں اور اداریوں کے علاوہ مرحوم کے مکاتیب بھی انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ نقوش کے سلسلے سے ان کی برصغیر کے مختلف مکاتیب فکر کے لوگوں سے خط وکتابت رہی۔ یہ طے ہے کہ انھوں نے ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے جن میں مختلف ادبی و تنقیدی مباحث زیر بحث آئے ہوں گے۔ نقوش کے طفیل نمبر میں مختلف اہل علم کے ایک ایک خط کر کے ۱۹۲ خطوط دیے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی شخصیات ہیں جن کو انھوں نے درجنوں خطوط لکھے ہوں گے۔ بالعموم خطوط سے شخصیت کا اصلی روپ سامنے آتا ہے۔ محمد طفیل صاحب کے خطوط سے ان کی منکسر المزاجی، ادب نوازی اور انسان دوستی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے مکاتیب کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے تو یہ اردو مکاتیب کی دنیا میں ایک اضافہ ہوگا۔ ڈاکٹر خلیل الرحمان اعظمی کے نام لکھا ہوا ایک چھوٹا سا خط نقل کیا جا رہا ہے جس سے ایک طرف ان کے اسلوب تحریر اور دوسری طرف ان کی خطوط نویسی کی کثرت کا اندازہ ہوگا۔

برادرم عزیز اعظمی!

---

[1] رسول نمبر، محمد طفیل۔ ادارہ فروغ اردو لاہور۔ دسمبر ۱۹۸۲ء، ش ۱۳۰، ۱/۵

آپ کی غزلیں مجھے بڑی پسند آتی ہیں۔ پہلے آپ کے مضمون پسند آتے تھے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مجھے مضمون بھی، غزل بھی دونوں ہی ایک ساتھ بھیج دیا کریں تاکہ یہ اچھا وہ اچھی کے چکر سے نکل جاؤں۔

ان دنوں کچھ ایسا موڈ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ ذرا سلیقے سے کام کروں۔ کچھ کر جاؤں۔ پس یہی سوچ سوچ کر دبلا ہوا جا رہا ہوں۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ اتنی ہی اتنی کوشش کے باوجود جہاں ہوتا ہوں۔ وہیں کھڑا رہ جاتا ہوں۔

آج صبح سے خط لکھ رہا ہوں۔ ہاتھ تو درد کرنے لگا ہے۔ یہ تو حال ہے "عاشق زار" کا۔ ہوگا خاک![1]

[1] نقوش طفیل نمبر/ ۱۲۵ ص ۸۴۸۔۸۴۹

اب چلتے چلتے نقوش کی موجودہ سرگرمیوں سے متعلق کچھ گفتگو کر لی جائے۔ جب محمد طفیل مرحوم کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں رسول نمبر سامنے آیا تو علمی حلقوں سے یہ بار بار اصرار ہوا کہ اس کے بعد ایک قرآن نمبر کی بھی شدید ضرورت ہے جس کو رسول نمبر سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ محمد طفیل صاحب اپنی زندگی ہی میں قرآن نمبر کا اچھا خاصا کام کر گئے تھے جس کو جاوید طفیل صاحب نے بھی کافی آگے بڑھایا ہے۔ اب جلد ہی اس کی جلدیں آراستہ ہو جائیں گی۔ مواد ترتیب و اہمیت سے واضح ہے کہ نقوش کے قرآن نمبر کو بھی غیر معمولی پذیرائی ملے گی۔ جاوید طفیل (مدیر نقوش) کے کہنے کے مطابق تقریباً بیس جلدوں پر قرآن نمبر مشتمل ہوگا۔ خدا کرے کہ مرحوم محمد طفیل صاحب کا لگایا ہوا یہ درخت مستقبل میں اور برگ و بار لائے۔

بقیہ: صفحہ ۳۶ ——— فریب آزادی

اسکول و کالج جو لڑکیوں کی شخصیت کے لئے میٹھے زہر ہیں ان کے قریب بھی نہ بھٹکوں گی اور ہر وہ ملازمت جس کے ذریعہ لڑکی کا تقدس خطرے میں رہتا ہے اسے لات مار دوں گی۔ اب ایک پاک صاف زندگی گذاروں گی۔ اسلام کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کروں گی۔ اپنی پوری زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کروں گی۔ اب میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہوگا۔ یہ میرا عہد ہے۔

نشاط تبسم: خدا آپ کو اپنے نیک ارادے میں پختگی اور نیکی کی راہ پر چلنے اور چلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

شبانہ (شبنم): اچھا اب اجازت دو۔ خدا حافظ۔

نشاط تبسم: خدا حافظ!

فریبِ آزادی

از: طارق احسن فلاحی
جامعۃ البنات، پیری
گیا (بہار)

کردار

شبانہ انجم : کالج میں پڑھنے والی ایک مغربی تہذیب کی دلدادہ لڑکی
نشاط تبسم : دینی ادارہ کی ایک اسلام پسند طالبہ

منظر

ایک خوبصورت مکان جس کے لان میں چند کرسیاں رکھی ہیں۔ نشاط تبسم ایک کرسی پر بیٹھی کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق ہے۔ اچانک وہ کسی کے قدموں کی چاپ سن کر اپنی نگاہ کتاب سے ہٹا دیتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ اس کی ایک پرانی سہیلی شبانہ انجم تنگ سوٹ میں ملبوس گردن میں لپٹے ہوئے مفلر نما دوپٹہ اور شانوں پر لہراتی ہوئی زلفوں کے ساتھ، سرخی سے مزین ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اور خوشبوؤں کا طوفان اڑاتے ہوئے اس کے قریب ہو رہی ہے۔ وہ فوراً ہی کتاب رکھ کر شوق و محبت کی بے تابیوں کے ساتھ کرسی چھوڑتی ہے۔ شبانہ انجم قریب ہوتے ہی محبت بھرے لہجے میں سلام کرتی ہوئی نشاط تبسم سے لپٹ جاتی ہے۔

شبانہ انجم : السلام علیکم

نشاط تبسم : وعلیکم السلام! کہئے کیسی ہیں آپ؟

شبانہ انجم : خدا کا شکر ہے۔

نشاط تبسم : (ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تشریف رکھئے! (کرسی پر بیٹھ کر) اس ناچیز سے ملنے کی زحمت آپ نے کیسے فرمائی؟

شبانہ انجم : تم سے ملنے کا شوق ایک مدت سے میرے دل میں انگڑائیاں لے رہا تھا۔ مگر میں اپنی مصروف زندگی سے مجبور تھی۔

نشاط تبسم : آخر ایسی بھی کیا مصروفیت؟

شبانہ انجم : ہاں جب سے میں نے سینٹ زیویر کالج میں ایڈمیشن لیا ہے میں بہت بیزار رہنے لگی ہوں۔ بڑی مشغولیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کالج کے کسی نہ کسی پروگرام میں حصہ لینا ہی پڑتا ہے۔

نشاط تبسم : کس طرح کا پروگرام؟

شبانہ انجم : کالج میں بہت سے پروگرام آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی پکنک کا پروگرام، کبھی سوشل پروگرام کبھی ایجوکیشنل ٹور کا پروگرام۔

نشاط تبسم : ان پروگراموں کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

شبانہ انجم : ہر پروگرام کا اپنا جداگانہ مقصد ہوتا ہے مثلاً پکنک کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کالج کے تعلیمی ماحول سے نکل کر کسی پرفضا مقام پر، کسی پہاڑی کے دامن میں، کسی سمندر کے ساحل پر، کسی گل پوش وادی میں کالج کی لڑکیاں جائیں اور بالکل آزاد ماحول میں چند گھنٹے گذار کر قدرت کے دلکش مناظر میں اس طرح کھو جائیں کہ تعلیم سے بوجھل ذہن فرحت و سکون حاصل کریں۔

نشاط تبسم : اچھا یہ سوشل پروگرام کیا بلا ہے؟

شبانہ انجم : بلا نہیں بھلا کہو۔ اس سوشل پروگرام کا مقصد کالج کی لڑکیوں کو سوشل ورکر بنانا ہے یعنی کالج کی لڑکیاں اس لائق ہو سکیں کہ وہ سماجی کاموں میں ہاتھ بٹا سکیں۔ جب کبھی سماج پر کوئی ناگہانی آفت آئے خواہ زلزلہ کی صورت میں یا سیلاب کی صورت میں یا قحط سالی کی صورت میں یا کومنل رائٹ کی صورت میں تو یہ لڑکیاں ریلیف کا کام کر سکیں۔ مظلوموں مصیبت زدہ لوگوں کے لئے چندہ فراہم کر سکیں اور ان کی تیمارداری کر سکیں۔ نیز الیکشن کے موقع پر ڈور ٹو ڈور جا کر پبلک میٹنگ کو اڈریس کر کے اپنے من پسند امیدوار کو کامیاب بنانے کے لئے لوگوں کے ذہنوں کو ہموار کر سکیں۔

نشاط تبسم : تب تو بہت اونچا مقصد ہے سوشل پروگرام کا۔

شبانہ انجم : بالکل! اور ایجوکیشنل ٹور جسے تعلیمی سفر بھی کہتے ہیں۔ اس کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کالج میں کتابوں کے اندر جس موضوع سے متعلق پڑھائی ہوتی ہے۔ ان عجائب قدرتی چیزیں اور جغرافیائی مقامات آتے ہیں ان کا مشاہدہ ان مقامات پر جا کر اپنی آنکھوں سے کیا جائے تاکہ نظر میں وسعت اور علم میں پختگی و اضافہ ہو۔ اب رہا کلچرل پروگرام یعنی ثقافتی پروگرام تو اس پروگرام کے تحت کھیل کود ہوتے ہیں، ڈرامے اسٹیج کئے جاتے ہیں، سمپوزیم اور ڈیبیٹ ہوتے ہیں، مشاعرے اور قوالیاں ہوتی ہیں، رقص و موسیقی اور ناچ گانے کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ اس طرح ان پروگراموں میں حصہ لینے سے فطری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔

نشاط تبسم : یہ سارے پروگرام جن کا ابھی آپ نے فخریہ تعارف کرایا، کیا یہ مخلوط ہوتے ہیں۔

شبانہ انجم : میں نے تمہاری بات نہیں سمجھی۔

نشاط تبسم : میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں کیا ایک ساتھ ان پروگراموں میں حصہ لیتی ہیں؟

شبانہ انجم : اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

نشاط تبسم : (ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے) ایک مسلمان لڑکی کے لیے بہت تعجب کی بات ہے!

شبانہ انجم : کیوں؟

نشاط تبسم : اسلام ہر ایسی سوسائٹی، ہر ایسے اسکول و کالج اور ہر ایسی محفل کا سخت مخالف ہے جہاں مرد و عورت، لڑکے اور لڑکیاں آزادی کے ساتھ ملیں جلیں، بے تکلفی سے گفتگو کریں اور آپس میں ہنسی مذاق کریں۔

شبانہ انجم : وہاٹ نان سینس! ایڈیٹ گرل، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے خیالات اتنے دقیانوسی ہیں، تمہاری سوچ اس قدر فرسودہ اور جاہلانہ ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم ایک پڑھی لکھی اور ایک مہذب لڑکی ہو، لیکن ــــ

نشاط تبسم : (بات کاٹ کر) پڑھی لکھی اور مہذب ہونے کا معیار اگر آپ کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی لڑکی سمندر کے ویران ساحلوں پر، ہوٹلوں کی تنہائیوں میں، پارکوں کے گوشوں میں ناچ گانے کی محفلوں میں، میوزک اور ڈانس کے پروگراموں میں اپنے تقدس کا آنچل تار تار کراتی پھرے تو مجھے افسوس ہے کہ میں ایک انتہائی غیر معیاری، غیر مہذب اور گنوار لڑکی ہوں۔

شبانہ انجم : نشاط! تم اس قدر کنزرویٹیو، اتنی نیرو مائنڈڈ اور اتنی تنگ نظر ہوگی، اس کا اندازہ مجھے پہلے نہیں تھا۔ تم عورت کی فطری آزادی پر ناک بھوں چڑھاتی ہو؟ گویا تم ابھی اسی تاریک دور کی مکروہ یادوں کو اپنے سینے میں بسائے ہوئے ہو، جب عورت آزادی کے لیے ترستی تھی۔ عورت کو باندی اور ایک لونڈی سمجھا جاتا تھا، جب عورت کا گھر سے باہر قدم نکالنا گناہ تھا، جب وہ پنچھی چڑیا کی طرح گھر کے پنجرے میں قید آزادی کے لیے پھڑپھڑاتی تھی لیکن ماضی کا وہ وحشت ناک زمانہ اب گزر چکا۔ اب عورت اس اندھیرے دور سے نکل کر روشن زمانہ میں داخل ہو چکی ہے اب

ہر طرف آزادی اور مساوات کے چرچے ہیں۔ کل تک جو عورت گھر کی چہار دیواری میں قید تھی آج وہ آزاد فضا میں سانس لے رہی ہے۔ مردوں کے شانہ بشانہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں کام کر رہی ہے۔ اب اس کو اپنی آزادی کا پورا حق مل چکا ہے۔ مگر تمہارے نزدیک عورت کی آزادی جرم ہے۔ لڑکے لڑکیوں کا میل جول معیوب ہے اور ایک دوسرے سے اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کرنا گناہ ہے تو تم نے ابھی انسانی فطرت کو نہیں سمجھا۔

نشاط تبسم : جن لوگوں کے نزدیک انسانی فطرت کا مفہوم مرد و عورت کا آزادی کے ساتھ ملنا جلنا ہے وہ جان بوجھ کر فطرت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ آزادی کے نام پر عورت کو بیوقوف بناتے ہیں۔ مساوات و برابری کا نعرہ دے کر عورت کو اپنی ہوس کے جال میں پھانستے ہیں۔ وہ عورت کے ہمدرد نہیں اس کے دشمن ہیں۔ وہ عورت کے محافظ نہیں اس کی عصمت کے لٹیرے ہیں۔ اور حیرت تو اس بات کی ہے کہ جس اسلام نے عورت کو حقیقی آزادی بخشی، ذلت سے نکال کر اسے عزت کا مقام عطا کیا آج اسی اسلام کو ماننے والی لڑکی اسلام کا مذاق اڑاتی ہے۔ اسلام کے زمانے کو غلامی کا زمانہ کہتی ہے اور اس روشن دور کو تاریک دور کہتی ہے۔ کیا اسلام سے پہلے عورت کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا؟ کیا بیٹی کا پیدا ہونا منحوس نہیں خیال کیا جاتا تھا؟ کیا لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ نہیں گاڑ دیا جاتا تھا؟ کیا عورت کو سانپ، چڑیل، گناہ کی جڑ اور شیطان کی ایجنٹ نہیں کہا جاتا تھا؟ اس وقت اس مظلوم اور دکھیاری کا کون ہمدرد و غمخوار تھا؟ وہ اسلام ہی تو تھا جس نے اس کے دکھتے ہوئے دلوں کی فریاد سنی۔ جس نے اس کی ذلت کے داغ دھبوں کو دھو کر اس کی پیشانی پر عزت و پاکیزگی کا جھومر سجایا اور اس کے حقوق کی ضمانت ــــ

شبانہ انجم : (بات کاٹ کر) مجھے ایسے لوگوں سے سخت چڑ ہے جو ہر معاملہ میں اسلام اسلام کی رٹ لگاتے ہیں اور اسلام کا نیا مفہوم بتلاتے ہیں۔ مذہب سے کسے محبت نہیں ہوتی؟ کیا میں اسلام کی مخالف ہوں۔ کیا میں رمضان میں افطاری و سحری نہیں کرتی؟ کیا میں عید بقرعید، محرم، شب برات نہیں مناتی؟ مذہب اور چیز ہے اور سوشل لائف اور چیز ہے۔ مذہب کا سماجی زندگی سے کیا تعلق؟ مذہب تو ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ اسے تعلیم گاہوں، ہماری تفریح گاہوں، اور ہماری تہذیب و کلچر میں گھسیٹنے کا کوئی حق ــــ

نشاط تبسم : (بات کاٹ کر) اسلام دنیا کے دوسرے مذہبوں کی طرح صرف پوجا پاٹ اور رسم و رواج

کا مجموعہ نہیں؟ اسلام کو مذہب کا نام دینا اسلام کی توہین ہے۔ اسلام تو ایک دین ہے جس کا مطلب ہے ایک مکمل نظام حیات، جو انسان کی پوری زندگی کو اپنے دائرے میں لیتا ہے۔ جو انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر معاملہ میں رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ وہ معاملہ ذاتی ہو یا اجتماعی عبادت کا ہو یا معاملات سماجی ہو یا معاشی، تعلیم کا ہو یا تہذیب کا، عدالت کا ہو یا قانون سازی کا، سیاست کا ہو یا حکومت کا جو لوگ اسے چند عبادتوں، بعض تہواروں اور کچھ رسموں تک محدود کرتے ہیں اور اسے انسان کا ذاتی معاملہ خیال کرتے ہیں، وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ جو لوگ اپنے کسی معاملہ میں اسلامی تعلیمات اختیار کرنے کے روادار نہیں انہیں ڈنڈے کے زور پر اسلام پر چلنے کے لئے کوئی مجبور نہیں کرتا۔ "لا اکراہ فی الدین" دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ وہ شوق سے اپنے من مانے راستے پر بگٹٹ دوڑتے رہیں لیکن اسلام کا لیبل لگا کر اور اس سے اپنے تعلق کا جھوٹا دعویٰ کر کے اسلام کو بدنام نہ کریں۔

یاد رکھئے، جب تک ایک لڑکی مسلمان ہے اسے اسلام کی عائد کی ہوئی پابندیوں کا سختی سے لحاظ کرنا ہوگا۔ ہر اصول، ہر طریقہ، ہر قانون، ہر تہذیب اور ہر کلچر جو اسلام سے ٹکراتا ہو اسے چھوڑنا ہوگا۔

شبانہ انجم: اپنی بکواس بند کرو۔ تمہاری تقریر سننے کے لئے میں یہاں نہیں آئی ہوں۔ جس دینی ادارے میں تم تعلیم حاصل کرتی ہو اگر اس میں ایسے ہی فرسودہ خیالات کا سبق پڑھایا جاتا ہے ایسا ہی تنگ نظر بنایا جاتا ہے تو ایسے دینی ادارے اور ایسی دینی تعلیم کو دور کا سلام

نشاط تبسم: اور مجھے بھی ایسے سیکولر اسکولوں اور لادینی کالجوں سے خدا بچائے جہاں اسلام سے سخت نفرت دلائی جاتی ہے جہاں آزادی کے نام پر لڑکیوں کو دل بستگی کا کھلونا بنایا جاتا ہے۔ جہاں ترقی کے سبز باغ دکھا کر انہیں اپنی ہوس کا شکار بنایا جاتا ہے جہاں مساوات کے نام پر بے راہ روی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جہاں لڑکیاں کورس کی کتابیں کم پڑھتی ہیں لیکن عشق و محبت کی شرمناک داستانوں پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ میں پورے طور پر غرق رہتی ہیں۔

جہاں طالبات کا ذہن کلاس میں لیکچر سننے میں یکسو نہیں رہتا لیکن اپنے بوائے فرینڈ کی یاد میں دل ہر وقت اٹکا رہتا ہے۔ کالج میں کچھ سیکھیں یا نہ سیکھیں لیکن عشق لڑانے کا فن اچھی

طرح سیکھ لیتی ہیں۔

شبانہ انجم: تم اپنی حد سے آگے بڑھ رہی ہو

نشاط تبسم: مجھے اپنی حد خوب معلوم ہے۔

شبانہ انجم: (کسی قدر تلخ انداز میں) وہ تعلیم کس کام کی؟ جو لڑکیوں سے ہر طرح کی آزادی چھین لے جو انہیں گھر کی چہار دیواری میں قید رہنے کی پابندی لگائے۔ جو زندگی کی خوشیوں سے محروم کر دے جو دل پر پہرہ بٹھا دے۔ جو پسند و ناپسند کا اختیار چھین لے جو تفریح گاہوں اور کلچرل پروگراموں میں شرکت پر روک لگائے۔

نشاط تبسم: (جذباتی انداز میں) یہ غلامی اس آزادی سے بہتر ہے جو ایک لڑکی کو بے حیائی و بے شرمی کا سبق سکھائے۔ جس کے نتیجے میں آزادی کی متوالی لڑکی بن ٹھن کر کلبوں اور ناچ گانے کی محفلوں میں جائے اور مردوں کی ہوسناکیوں کی شکار ہو۔ فیشن میں چور اٹھلاتی ہوئی شاپنگ کے لئے نکلے اپنی عصمت نیلام کر کے گھر لوٹے۔ پوڈروں اور خوشبوؤں کا طوفان اڑاتی ہوئی جس راہ سے گذرے، راہ گیروں کی شہوت پسند نگاہیں دور تک پیچھا کریں۔

میک اپ و سج دھج کر بازاروں میں نکلے اور اوباشوں کے شرمناک جملوں اور غلیظ فقروں سے اس کا استقبال ہو کیا یہی آزادی کا حاصل ہے کہ ایک روشن خیال لڑکی اپنی شرم و حیا، اپنی عزت و آبرو اور اپنا وقار و تقدس سب کچھ آزادی کے قدموں پر نچھاور کر دے۔

شبانہ انجم: آخر تمہاری دینی تعلیم کا کیا حاصل، ایسی دینی تعلیم کس کام کی جو میدان عمل میں کچھ کام نہ آسکے، جو سماج کے لئے ناکارہ ثابت ہو، جو معاشرے کی کسی خدمت کے لئے نہ ابھارے۔ جو ایک لڑکی کو کلرک بننے سے روکے، جو ایک لڑکی کے ٹائپسٹ یا پرائیویٹ سکریٹری بننے پر اعتراض کرے جو سیکولر اداروں میں ٹیچر بننے پر پابندی لگائے۔ جو کسی بھی فرم میں ملازمت کرنے کو ناپسند کرے جو ہوائی جہازوں میں مسافروں کی تواضع کرنے والی ایر ہوسٹیس بننے کی مخالف ہو۔ جو ریستورانوں اور ہوٹلوں میں ویٹرس کا کام کرنے سے منع کرے۔

نشاط تبسم: ایک عورت یا ایک لڑکی کا میدان عمل ریستوران اور ہوٹل نہیں۔ تجارت کی دوکانیں اور کاروبار کی منڈیاں نہیں، آفس یا دفاتر نہیں۔ تفریح گاہیں اور کھیل کے میدان نہیں۔ اس کے

کام کا اصلی میدان اس کا اپنا گھر ہے یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں اس کا تقدس محفوظ رہتا ہے۔ جہاں اس کی شخصیت کو چار چاند لگتا ہے۔

جہاں اسکی سکون و اطمینان ملتا ہے۔ جس کی چہار دیواری میں رہ کر وہ اپنے خاندان کے لوگوں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کی خدمات انجام دیتی ہے جہاں اپنی نئی نسل کو تعلیم و تربیت کے زیور سے سجا کر دین کا سپاہی، سماج کا سچا خادم، قوم و ملت کا اصلی ہمدرد اور ملک و وطن کا وفادار شہری بناتی ہے۔ کیا سماج کی خدمت کا اس سے بھی بڑھ کر کوئی کام ہو سکتا ہے؟ یہ کام تو خود ہی اتنا اہم ہے اور اتنی توجہ چاہتا ہے کہ اتنی فرصت کہاں کہ وہ گھر سے باہر نکل کر تفریح گاہوں کی سیر کرتی پھرے دفتروں کا چکر لگاتی پھرے۔ بازاروں میں ماری ماری پھرتی رہے۔ جب اسلام نے ایک عورت کو کفالت کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے تو وہ مرد کے بوجھ کو اپنے نازک کندھوں پر لے کر اپنے آپ کو پریشانیوں میں ڈالنے کی نادانی کیوں کرتی ہے؟

ایک لڑکی جب تک کنواری ہے اس کی کفالت کی ذمہ داری اس کے والدین پر ہے شادی کے بعد اس کی کفالت کی ذمہ داری شوہر پر ہے، بیوہ یا مطلقہ ہو جانے کی صورت میں اس کی کفالت کا بوجھ پھر اس کے والدین پر آ جاتا ہے۔ والدین نہ ہوں تو اس کے بھائی ذمہ دار ہوتے ہیں جب اسلام نے ایک لڑکی کو اس کی فطری کمزوری کی بنا پر خود ہی کفالت کی ذمہ داریوں سے اسے آزاد کر دیا ہے تو وہ کیوں نوکری کے لئے بے چین رہتی ہے۔ ملازمت کی چاہ کیوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اونچی اونچی ڈگریاں حاصل کرتی ہیں؟ وہ تعلیم کس کام کی جو ایک عورت کو اس کے اصلی فرائض سے غافل کر دے؟ تعلیم تو اپنے اندر جھانکنے کا موقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ اندازہ لگائے کہ کس حد تک وہ اپنے مقصد سے دور ہو چکی ہے اور کس حد تک وہ قریب ہے۔ ہم پیتل پر چڑھے ہوئے ملمع کو سونا تو نہیں کہہ سکتے؟

شبانہ انجم: بس کرو نشاط بس! مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ تم نے آج میری آنکھ کھول دی۔ میں ابھی تک غفلت میں تھی۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے میری عقل چھین لی تھی۔ آزادی اور مساوات کے فریب نے مجھے بہکا دیا تھا لیکن آج تم نے خواب غفلت سے جگا دیا میں تمہاری بے حد احسان مند اور شکر گزار ہوں اور آج سے یہ عہد کرتی ہوں کہ وہ تمام لادینی رسمیں اور وہ تمام

عبد البر اثری فلاحی

اساتذہ کرام اور ہمدردانِ مدارس سے
توجہ مطلوب ہے

جامعۃ الفلاح کے ایک طالب علم کو بستی کے ایک آدمی نے مارا پیٹا مولانا کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے اس وقت کے ناظم ڈاکٹر خلیل احمد صاحب مدظلہ کے نام ایک رقعہ بھیجا جس میں درج تھا کہ "مجھے فلاں شخص نے مارا ہے" یہ رقعہ پاکر ناظم صاحب جس حال میں تھے جامعہ دوڑتے چلے آئے اور مولانا سے پوری بات ان کے سامنے رکھی چنانچہ اسی دن شام کو بستی والوں کی میٹنگ ہوئی اور متعلق فرد کو سرزنش کی گئی"
(ہفت روزہ "دعوت" نئی دہلی ۲۳ تا ۲۹ اگست ۱۹۸۵ء ج ۲ ش ۳۴ آخری صفحہ مضمون: زمین کھا گئی ...... از نسیم احمد غازی فلاحی)

یہاں جس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے اس واقعہ میں مولانا سے مراد مولانا جلیل احسن ندوی ہیں؛ ان کی زندگی کا یہ واقعہ بطور خاص آج کے اساتذہ کرام اور ہمدردان ملت کو دعوت فکر و عمل دیتا ہے۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ استاذ کا طلبہ سے لگاؤ گہرا ہونا چاہئے۔ ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے اور جس طرح اپنی تکلیف کے ازالے کے لئے کوشش کرتا ہے اسی طرح ان کی تکلیفوں کے ازالے کے لئے کوشش کرے۔ عام طور سے آج یہ شکایت کی جاتی ہے کہ درسگاہوں میں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان خلیج پیدا ہو گئی ہے بلکہ وہ بڑھتی جا رہی ہے۔ مجھے بھی اس سے انکار نہیں لیکن اس سلسلے میں سارا الزام بے چارے طلبہ پر ڈال دیا جاتا ہے کہ یہ صورت حال انھیں سے قصور کی وجہ سے پیدا

ہو رہی ہے۔ میری سمجھ سے یہ فیصلہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ جہاں وہ ان کے سرپرست اور حالات اس کا سبب ہیں وہیں خود اساتذہ بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کے ذمہ دار ہیں، کیونکہ ان کے اندر وہ شفقت و محبت نہیں پائی جاتی جو ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس اپنائیت کا اظہار نہیں ہوتا جو ان سے مطلوب ہے۔ وہ ہمدردی و خیر خواہی دیکھنے کو نہیں ملتی جس سے دل جیتا جاتا ہے۔ کیا آج ہم میں کوئی ہے جو طالب علم کی پیاس کو اپنی پیاس تصور کرتا ہو۔ اور اس کی تکلیف دور کرنے کے لئے تڑپ اٹھتا ہو۔ پھر آخر ہم کیسے یہ توقع رکھتے ہیں کہ خلیج پیدا نہیں ہوگی بلکہ پیدا شدہ خلیج پٹ جائے گی؟

یہاں جہاں مدارس قائم ہیں عام طور سے اب وہاں کی صورت حال یہ ہے کہ وہاں والے مدرسے وابستہ افراد کو دبا کر رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، کوئی انھیں روکنے ٹوکنے اور سرزنش کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اس طرح کے افراد کو شہ دی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ طریقہ اگر تادیر قائم رہے تو پھر تعلیمی معیار کو گرنے بلکہ ادارہ ہی کو بے وقار ہو جانے سے کوئی نہیں روک سکتا؟ اور نعوذ باللہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر کیا انھیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی؟ پھر آخر کیوں وہ ایسا کرتے ہیں؟ ان کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کے افراد کو دبائیں۔ ان کی سرزنش کریں۔ اہل مدارس کے ساتھ تعاون کی راہ اپنائیں کہ مدارس ہمہ جہتی ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ بھی آسان ہو کر جامعۃ الفلاح کی رفتار ترقی جس کی نظیر مدارس کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ بہت سے اسباب کے ساتھ اس قسم کے کرداروں کا بھی اس میں بڑا ہاتھ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بستی والوں کو یہی طریقہ اپنانے کی توفیق ارزانی کرے۔

• شہاب اشرف
ریٹائرڈ پروفیسر، اے ایم یو

قرآن کی باتیں

نماز

آیت / سورہ

۲۳۸/۲ نگہبانی کرو ایمان والو تم نمازوں کی
خدا کے سامنے حالت تمہاری ہو غلاموں سی

۴۶/۲ نمازیں سخت مشکل ہیں مگر مشکل نہیں لوگو
سمجھتے ہیں جو بندے منہ دکھانا ہے انھیں رب کو

۳/۲ نمازیں پڑھتے ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں
دیا ہے رزق جو ہم نے وہ اس سے خرچ کرتے ہیں

۱۰۲/۴ نماز ان کو پڑھاؤ جنگ میں قائم جماعت ہو
تم ان کے ساتھ اے میرے نبی سجدے میں جھک جاؤ

۱۶۳/۶ کہو میری نمازیں میرا جینا میری قربانی
ہے رب العالمیں کے واسطے میرا یہ مرنا بھی

۳/۸ نمازیں پڑھنے والوں کو بھروسہ رب پہ رہتا ہے
کریں وہ خرچ ایسے مال جو رب نے بخشا ہے

۹۹/۱۵ کرو تسبیح اپنے رب کی اور اس کی عبادت تم
تم اپنے آخری دم تک یہی سجدے بجا لاؤ

۱/۲۳ انھیں کی ہے بھلائی جو نمازیں دل سے پڑھتے ہیں
ہمیشہ خود کو گندی لغو باتوں سے بچاتے ہیں

۴۵/۲۹ نمازیں تم پڑھو قرآن کی لوگو تلاوت ہو
نمازیں روکتی ہیں بے حیائی سے مسلماں کو

کرو قائم نمازیں فجر کی قرأت مقدم ہو ۷۸/۱۷
ملے اس سے حضوری اور طاقت بھی ملے تم کو

مجھے اللہ ہمت دے مجھے نصرت عطا فرما ۸۱/۱۷
کہو حق آگیا باطل گیا باطل کو ہے مٹنا

محمدؐ تم دعا کرتے رہو دنیا کے مالک سے ۱۱۴/۲۰
دے تو علم میں اے رب اضافہ اور بھی کر دے

کرو قائم نمازیں اور رب کی بندگی لوگو ۷۷/۲۲
بھلائی کے کرو تم کام شاید کامیاب ہو

"ارتقائے نو"

از شیخ منصف مبارکپوری

شرف کی بارگاہوں میں نہیں ہے اب شرافت تک | قتیلِ جور ہے اُف عدل گاہوں میں عدالت تک
اخوت سارے انسانوں کی اک سچی حقیقت ہے | مگر مشکل سے ملتی ہے جہاں میں یہ حقیقت تک
بھلا اب مر کے پنپ سکتا ہے کہاں کوئی | جوانوں میں کہاں جب زندہ نہ جوشِ حمیت تک
یہ انساں جس کی ہستی احسنِ تقویم کی پیکر | فسادِ فکر و فن سے مسخ ہے اب اس کی صورت تک
حیا و فطری کشش، خُلقِ حسن، فکرِ خدا بینی | مثالاً و الا بشر لے تا بقدرت اپنی خلقت تک
یہ انساں گرتے گرتے کس قدر پستی میں جا پہنچا | کرداروں میں بھی اب ملتی نہیں سچی رفاقت تک
سکونِ دل ملے کیوں کر جہاں میں آدمیت کو | ملوث ہے فریب و زور سے اس کی عبادت تک
پہنچا ہیں روز و شب تو دیکھئے ہوتا ہے کیا آگے | جنہر بننے لگے ہیں اب جہاں میں قتل و غارت تک

جہاں میں حسنِ انسانی کی ذلت ہے یہ اے منصف
وطن کے پیچ و خم میں گھر کے رہ گئی محبت تک

مترجم:
• ابن محمد فلاحی

جلسوں وغیرہ میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینے کا حکم

یہ ایک فتویٰ ہے جو ہفت روزہ " اخبار العالم الاسلامی" شمارہ نمبر ۱۲۳۶ مؤرخہ بتاریخ ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ہے سائل عبدالرحمان سعید الغامدی ہیں اور فتویٰ استاذ احمد محمد جمال نے دیا ہے۔ افادہ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

سوال :-

ان لوگوں کے سلسلے میں کیا رائے ہے جو کہ جلسوں کے آغاز میں اور غم کے موقعوں پر قرآن پڑھتے ہیں؟ کیا وہ اجرت جو انہیں دی جاتی ہے حلال ہے یا حرام؟ جبکہ بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جائز نہیں ہے اور وہ اجرت جو انہیں دی گئی ہے حرام ہے۔ کیونکہ تلاوت تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے نیز وہ لوگ جو اسی غرض سے انہیں اجرت پر رکھتے ہیں وہ خطاکار ہیں اور گناہ میں ان کی مدد کرنے والے شمار کئے جائیں گے۔

جواب :- کسی بھی قسم کے جلسوں اور غم کے موقعوں پر تلاوت قرآن کرنے کا مقصد حصول برکت اور تذکیر باللہ ہوتا ہے جیسا کہ حاضرین ان آیات کریمہ سے نصیحت حاصل کرتے ہیں جن کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے۔ چنانچہ نظری پہلو سے یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مسلمان ہمیشہ تذکیر آیات اللہ کے محتاج ہیں۔

رہی وہ اجرت جو ان پڑھنے والوں کو دی جاتی ہے تو وہ ان کے لئے حلال ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے آپ کو تمام چیزوں سے حفظ قرآن اور تلاوت قرآن کے لئے محض لوگوں کی تذکیر ہی کی خاطر فارغ کیا ہے۔ ان کا معاملہ ائمۂ مساجد خطباء جمعہ اور مؤذنوں جیسا ہے پس وہ اپنے کاموں پر اجر کے مستحق ہوتے ہیں حالانکہ حقیقتاً وہ بھی تلاوت قرآن کی طرح تقرب الٰہی کا ذریعہ ہی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نبی کریمؐ کے زمانے میں ائمہ، خطباء اور مؤذنین کو ان کے کاموں پر اجرت نہیں دی جاتی تھی لیکن اب جبکہ وہ اسی کام کے لئے خاص کر دیئے جاتے ہیں اور معینہ اوقات میں ان کی حاضری ضروری ہوتی ہے تو انھیں اس کی پابندی کرنے اور اپنے آپ کو دوسرے کاموں سے انھیں کاموں کے لئے فارغ کرلینے پر اجرت دی جائے گرچہ وہ کام اپنی اصل کے اعتبار سے عبادت ہی ہوں۔

ایک قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ پورے عالم اسلامی میں تمام ہی ریڈیو اسٹیشن اور ٹیلی ویژن اسٹیشن سب سے پہلے تلاوت قرآنی نشر کرتے ہیں اور اس غرض کے لئے ایسے قرّاء رکھتے ہیں جو دوسرے تمام کاموں سے یکسو ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کی تلاوت پر ہی انھیں معاوضہ دیتے ہیں جس طرح کہ وہ تجوید کا خیال کر کے پڑھنے والے قرّاء کو معاوضہ دیتے ہیں ..... اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو لوگ بھی ان تلاوتوں کو غور سے سنتے ہیں وہ تذکیر و تدبر ہی کے پہلو سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

"قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندویؒ کے حالات زندگی اور خدمات پر مشتمل "حیات نو" کی خصوصی پیش کش "قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" ضروری تصحیح کے بعد دوبارہ منظر عام پر آچکا ہے۔ خواہش مند حضرات جلد رابطہ قائم کریں۔

قیمت : ۱۵ روپے

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

اخبار علمیّہ

اسلامی رسائل وجرائد کی عالمی نمائش

رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے قائم "فورم فار سوشل اسٹڈیز" اپنی جدوجہد کے پانچ سال مکمل ہونے پر ماہ دسمبر ۱۹۹۱ء میں ایک پانچ روزہ پروگرام منعقد کرنے جا رہی ہے۔ جس کا ایک اہم پروگرام "اسلامی رسائل وجرائد کی نمائش" ہے جس کے اندر دنیا بھر کے اسلامی رسائل وجرائد رکھے جائیں گے۔ یہ نمائش جدہ میں لگائی جائے گی اس سے پہلے بھی اس کی جانب سے اسی نوعیت کی ایک نمائش لگائی جاچکی ہے۔

واضح رہے کہ اس نمائش کی اطلاع براہ راست رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے "مجلہ حیات نو" کو موصول ہوئی ہے۔ نمائش میں دکھانے کے لئے "حیات نو" کی کاپیاں بھی طلب کی گئی ہیں۔

عمومی طور پر تمام ہی اسلامی رسائل وجرائد کے ذمہ داروں سے یہ اپیل بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنے رسائل وجرائد کی کاپیاں نمائش میں دکھانے کے ارسال فرمائیں۔ جو ۱۵ نومبر ۱۹۹۱ء تک پہنچ جائے۔ پتہ حسب ذیل ہے۔

فورم فار سوشل اسٹڈیز پوسٹ بکس نمبر ۱۹۴۰۰ جدہ ۲۱۴۳۵ سعودی عربیہ

تعلیمی سمینار

نومبر ۱۹۹۱ء میں نیو کالج مدراس میں "ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال" کے عنوان پر ایک سمینار ہونے جا رہا ہے تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں۔

پی اے ایم اسلام سکریٹری ناوا فاؤنڈیشن فار ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ پوسٹ بکس نمبر ۹۷۲۵
جامعہ نگر — نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ (آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی ۹۱)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ٹرسٹ کا قیام

پاکستان کی وہ تاریخی عمارت جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا مستقر رہی ہے جس میں کہ مولانا کی لائبریری بھی ہے اسے وقف کرکے "مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ٹرسٹ" بنا دیا گیا ہے اس کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے بیگم مودودیؒ نے اپنے ایک پیغام میں کہا کہ "یہ ٹرسٹ خدا کے دین کے فروغ و ترویج کے لیے خالصتاً علمی بنیادوں پر کام کرے گا۔ دین کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کے لیے جن خطوط پر مولانا مودودیؒ نے اپنی زندگی میں علمی کارنامہ انجام دیا انھیں خطوط پر اس کام کو آگے بڑھائے گا اور اردو، عربی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں علمی و تحقیقی لٹریچر تیار کرانے کا کام انجام دے گا تاکہ خدا کی سرزمین پر خدا کے دین کو غلبہ و فروغ حاصل ہو اور اعلائے کلمۃ اللہ کی راہیں استوار ہوں۔

(ہفت روزہ "ایشیا" لاہور ۶ ر اکتوبر ۱۹۹۱ء)

"امپیکٹ" کی اشاعت بحال

ان افراد کے لیے جو اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے دنیا میں رونما ہونے والے واقعات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں یہ خبر فرحت سے کم ثابت نہیں ہوگی کہ لندن سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار "امپیکٹ انٹرنیشنل" کی اشاعت پھر سے بحال ہو گئی ہے اور تقریباً ایک سال کے بعد اس کا مشترکہ شمارہ (۱۳ ر ستمبر ۹۱ تا ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۹۱ء) قارئین تک پہنچ چکا ہے۔ یہ پندرہ روزہ اخبار دنیا بھر میں اپنی نوعیت کا واحد اخبار ہے جو دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام اور ملت اسلامیہ سے متعلق ظہور پذیر ہونے والے واقعات سے اپنے قارئین کو باخبر رکھتا ہے۔

(سہ روزہ "دعوت" نئی دہلی ۷ ر اکتوبر ۱۹۹۱ء)

حدیث کا کمپیوٹر سیٹ

رابطۃ الشباب المسلم العربی نے امریکہ میں احادیث نبویہ کا ایک کمپیوٹر پروگرام تیار

کیا ہے۔ احادیث نبویہ کو محفوظ کرنے والا یہ کمپیوٹر سیٹ فروخت کے لیے بازار میں بھی فراہم کر دیا گیا ہے جس کی قیمت ۱۳۰ امریکی ڈالر ہے۔ اس سیٹ میں امام سیوطی کی "صحیح الجامع الصغیر اور ضعیف الجامع الکبیر" کی تقریباً پندرہ ہزار حدیثیں علامہ ناصر الدین البانی کی تخریج و تحقیق اور فنی ترتیب کے ساتھ محفوظ کی گئی ہیں۔ جس سے کسی بھی حدیث کی تلاش آسان ہو جائے گی۔

(نور توحید جھنڈا نگر نیپال، ستمبر ۱۹۹۱ء)

مرکزی مکتبہ اسلامی کی دو کتابوں کو "سند توصیفی"

یہ خبر علمی حلقوں میں بڑی خوشی کے ساتھ سنی جائے گی کہ گذشتہ دنوں مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی کی دو ہندی کتابوں :-

۱۔ اسلام پرویشکا (مصنف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

۲۔ قرآن کی شیتل چھایا (مصنف ڈاکٹر ضیاء الرحمان اعظمی)

کو مہاراشٹر اسٹیٹ کے مشہور علمی ادارے "مہانو بھاو وشو بھارتی لکھنڈ شیوڑ" امراوتی نے خصوصی ایوارڈ سے نوازتے ہوئے "سند توصیفی" عطا کیا ہے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۴ ر اکتوبر ۱۹۹۱ء)

دنیا کی پانچ زبانیں سکھانے والی مشین

ایک برطانوی فرم نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس میں دنیا کی پانچ مختلف زبانوں کے ۲۵۰۰ جملے موجود ہیں اس کے ساتھ ایک اسپیکر اور ایک ہیڈ فون بھی لگا ہوا ہے یہ مختلف زبانیں انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی ہیں آپ ایک بٹن دبائیے اور اس پر مختلف جملے سنئے گویا ٹرانسلیٹر دار کر اسے مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوتا سنئے اس طرح آہستہ آہستہ ان مختلف زبانوں کی واقفیت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی زبان مسلسل سنتے رہنا اس کو سیکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس آلہ کا نام

اشتہار پڑھے اور یہ تھری اسے برقی سیلوں سے چلتا ہے۔

(اردو ڈائجسٹ پاکستان ص ۹۲ ستمبر [illegible])

ہندوستانی آئین کا نیپالی ترجمہ

سکم کے گورنر آر ایچ ٹہلیانی نے گاندھی جی کے ۱۲۲ ویں یوم پیدائش کے موقع پر ہندوستانی آئین کے نیپالی زبان میں ترجمہ کا اجراء کیا۔ چھ سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کا نیپالی زبان میں ترجمہ ریاستی حکومت کے ایک افسر نے کیا ہے۔

(سہ روزہ "دعوت" نئی دہلی ۷ر اکتوبر ۱۹۹۱ء)

فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں چونکہ ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے انگریزی علوم (جدید فلسفہ، سماجی علوم، سائنسی علوم، قانون، طب اور انجینیری) کی تدریس و تعلیم کے لئے اردو میں کتابوں کے ترجمے اور اصطلاح سازی وقت کی اہم ترین ضرورت سمجھی گئی۔ چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب کی سرکردگی میں ۱ر ستمبر ۱۹۱۷ء کو "شعبہ تالیف و ترجمہ" قائم ہوا جس کے تحت مختلف علوم و فنون کے متعلق ۹۱۰۰۰ اصطلاحات پر مشتمل فرہنگ تیار ہوئی تھی لیکن سقوط حیدرآباد دکن کے بعد جب جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعہ تعلیم ختم کر دیا گیا تو یہ کتاب بھی ضائع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب صدر سرکاری زبان کمیشن پاکستان نے پاکستان میں دستیاب جامعہ عثمانیہ کی مطبوعہ کتب کی مدد سے از سر نو یہ فرہنگ کو مرتب کیا ہے جو گرچہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ۲۵ ہزار اصطلاحات ہی پر مشتمل ہے لیکن پھر بھی اردو داں طبقے کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے اس میں تمام علوم و فنون کی اصطلاحات کو انگریزی حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ الفاظ کا املا جامعہ عثمانیہ کی روایت املا کے مطابق رکھا گیا ہے ہر اصطلاح کے ساتھ قوسین میں متعلقہ شعبہ علم کی بھی صراحت کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۴۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۲۸۰ روپے ہے کتاب ناشر سے خریدی جا سکتی ہے جس کا پتہ یہ ہے: مقتدرہ قومی زبان ۱۰ ــــ ڈی (غربی) جناح سپر مارکیٹ اسلام آباد، پاکستان۔

(روزنامہ سیاست حیدرآباد ۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ء)

تعارف و تبصرہ

★ ——— عبدالبر اثری فلاحی

نام ——— تعبیر (شعری مجموعہ)
شاعر ——— تابش مہدی
ضخامت ——— ۱۱۲ صفحات
قیمت ——— ۲۰ر روپے
ناشر ——— اسلامی اکیڈمی بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی
ملنے کے پتے ——— ۱۔ مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی — ۶
۲۔ کریسنٹ پبلشنگ کمپنی ممتاز بلڈنگ قاسم جان دہلی — ۶
۳۔ مکتبہ الایمان دیوبند ۲۴۷۵۵۴ — انڈیا

محترمی تابش مہدی صاحب جو جامعۃ الفلاح میں استاذ بھی رہ چکے ہیں صف اول کے اسلام پسند شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے البتہ ملک و بیرون ملک کے رسائل و جرائد میں برابر ان کی نظمیں اور غزلیں چھپتی رہی ہیں اور ہمیشہ اہل فن نے ان کی تحسین کی ہے۔

ان کی شاعری کی پہلی اور بنیادی خوبی یہ ہے کہ اس کے اندر اسلامی روح پورے طور پر موجزن ہے ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ وہ آدمی تو میرا دوست ہو نہیں سکتا — تیرے سوا جو کسی اور کی دہائی دے
۲۔ زمانہ کیا اسے دے گا ہزیمت — محافظ ہے خدا جس آدمی کا

۲۔ اسی کیلئے میں تیرا سہارا ہی بہت ہے — جس کا کوئی دنیا میں سہارا نہیں ہوتا

ان کی شاعری کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے اندر موجودہ افکار اور حالات پر بھرپور تنقید پائی جاتی ہے۔ انھوں نے بڑی باریک بینی سے ایک ایک کی اور خامی پر انگشت نمائی کی ہے خواہ وہ اپنوں کے یہاں ہو یا غیروں کے یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ یہ بات تو تاریخ میں ملتی نہیں صاحب — تسبیح و مصلیٰ تو ہے تلوار نہیں ہے
۲۔ کتنا مہمل یہ دعویٰ ہے سائنس کا — آئینہ ہے مگر آئینہ گر نہیں
۳۔ اپنی پہچان بھی اب تو ممکن نہیں — ہم بھی بدلے ہیں یا آئینہ اور ہے
۴۔ تبصرے سارے جہاں پر آپ کے بے سود ہیں — مسئلے خود آپ کے گھر کے ابھی سلجھے نہیں

ان کی شاعری کی تیسری خوبی یہ ہے کہ اس کے اندر جرأت و بے باکی اور اسلامی حمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ نظام کفر سے بے زار ہیں ہم — بہت واضح ہے یہ مبہم نہیں ہے
انگلیاں مسجدوں پر اٹھیں گی اگر — اٹھ کھڑے ہوں گے ہم غزنوی کی طرح

ان کی شاعری کی چوتھی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اس کے اندر سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ان سادہ اور مختصر الفاظ میں بہت جامع باتیں کہہ گئے ہیں گویا کوزہ کے اندر سمندر سمیٹ دیا ہو، ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

میں شہر کو ہی جانتا ہوں — کوئی امید تم اس سے نہ رکھنا

کس خوبصورتی سے کتنی جامع بات کتنے مختصر الفاظ میں کہہ گئے ہیں کہ اس کی تشریح کی جائے تو تشریح کے بجائے شعر سے مطلب سمجھنا زیادہ آسان ہو۔

ان خوبیوں کے ساتھ بعض پہلو قابل توجہ بھی ہیں۔

۱۔ محترم نے سخن گفتنی میں لکھا ہے "اب تک ملک و بیرون ملک کے ان گنت چھوٹے بڑے مشاعروں میں شریک ہو چکا ہوں۔ ہندو پاک کے تقریباً تمام ہی قابل ذکر جرائد و رسائل میں میری نگارشیں شائع ہو چکی ہیں۔ آل انڈیا اور

ریڈیو تک بھی رسائی ہوئی ہے۔ جسے عہد حاضر کا ایک بڑا اعزاز تصور کیا جاتا ہے۔ اور جہاں مبتدی شعراء کے کلام پر اصلاح و مشورہ کا بھی سلسلہ رہا ہے۔" (صفحہ)

اس عبارت کے اندر تعلّی پائی جاتی ہے جو کسی اسلام پسند شاعر کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتی۔

۲۔ صفحہ ۲۰ پر نعت کے اندر یہ اشعار ہیں۔

کس بلندی پر قسمت ہے صدیقؓ کی — جانشین رسول خدا آپ ہیں
ہمسری کس سے ممکن ہے فاروقؓ کی — مالک دو جہاں کے عطا آپ ہیں
کس قدر مناسب غنیؓ کا لقب — نازش فخر جود و سخا آپ ہیں
کیا مرتبہ ہے علیؓ کو اگر ہم کہیں — قوت دین و شیر خدا آپ ہیں

ان اشعار سے خلفائے راشدین کی منقبت ظاہر ہوتی ہے۔ نعت تو حضرت نبی کریمؐ کی مدح و ستائش کو کہتے ہیں لہذا ہر ایک صنف کو اس کے الگ الگ دائرے میں رکھا جانا چاہیے۔

۳۔ بہت سارے صفحات پر صرف دو دو اشعار لکھے گئے ہیں اور بقیہ حصے بالکل سادہ چھوڑ دیئے گئے ہیں حالانکہ اس کی کوئی افادیت نہیں ہے میری سمجھ سے یہ اسراف میں آتا ہے جو ہمارے لئے مناسب نہیں اگر انہیں استعمال کیا گیا ہوتا تو کتاب کی ضخامت کم ہوتی نتیجۃً قیمت کم ہوتی اور لوگ مستفید زیادہ ہوتے۔

۴۔ صفحہ ۵۰ پر ایک شعر ہے۔

سارے یوسف صفت دار پر چڑھ گئے — ہر گنہ گار دامن بچا لے گیا

یوسف علیہ السلام کے ساتھ دار پر چڑھنے کی نسبت محل نظر معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ جیل کی سزا سے دوچار ہوئے تھے نہ کہ دار کی سزا سے۔

بہرصورت "تعمیر" اسلامی شاعری کا بہترین نمائندہ مجموعہ ہے تمام ہی اہل ذوق کے لئے اس کا مطالعہ کسی طرح بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا لہذا انہیں اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

— محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

وی پی سنگھ جامعہ میں :

سابق وزیر اعظم جناب وی پی سنگھ ۱۴ر اکتوبر بروز پیر جامعۃ الفلاح تشریف لائے۔
ان کی آمد پر صدر جامعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے لئے یہ بہت ہی خوشی کا موقع ہے کہ جناب وی پی سنگھ ہمارے درمیان تشریف رکھتے ہیں۔ میں اس موقع پر بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ادارہ آپ کا مداح اور آپ کی پالیسی کا استقبال کرتا ہے۔ آپ نے وزارت عظمیٰ کے اتنے بڑے عہدے کو خیرباد کہا، اصول پر اٹل رہے اور اصول ہی کی خاطر آپ نے اتنی بڑی قربانی دی، میں آپ کا تہ دل سے استقبال کرتا ہوں۔ آپ نے دہلی میں تقریر میں جو بات کہی تھی یہ کہ ہمارے ملک کا کوئی بھی فرقہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کوئی بھی آپس میں لڑنا نہیں چاہتا بلکہ کچھ لوگ ہیں جو آپس میں لڑاتے ہیں۔ یہ بہت ہی اونچی اور اصولی بات تھی تمام لوگوں کو یہ بات پسند آئی۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مسائل، ہمارے معاملات اور ہماری تکلیفیں جاننے کی کوشش کریں۔ تاکہ آپ اس کا کوئی حل نکال سکیں۔

اس کے بعد وی پی سنگھ نے طلبہ اور اساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہاں آکر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں ایک اچھا ماحول ([illegible]) چل رہا ہے میں آپ لوگوں کے استقبال کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

انھوں نے مزید کہا کہ ابھی پرنسپل صاحب نے قربانی کی جو بات کہی میں نہیں سمجھتا کہ میں نے کوئی قربانی دی ہے بلکہ میں نے تو اصول کی بات اپنائی تھی اصول پر چلنا قربانی نہیں ہوا

کرتی بلکہ اس سے تو خوشی ہوتی ہے۔ اصول کی خوشی سے بڑھ کر نہ تو کوئی خوشی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی عہدہ اگر میں اصول پر نہ چلتا بلکہ کرسی سے چپکا رہتا تو مجھے ہی نیچی کرکے آپ لوگوں سے ہم کلام ہونا پڑتا لیکن آج اس لائق ہوں کہ آپ سے آنکھوں میں آنکھ ملا کر بات کرسکوں۔

ابھی پرنسپل صاحب نے جو بات کہی کہ ایک ذہنیت آگئی ہے جو نفرت کی آگ بھڑکا رہی ہے میں اسے ملک کے لئے بہت بڑا خطرہ تسلیم کرتا ہوں اور اس معاملے میں گاندھی جی نے جو راستہ اپنایا تھا یعنی شہریوں کو جوڑنے اور چھوڑنے کا یہی مقصد ہم بھی لے کر اٹھے ہیں نئی نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ گاندھی جی کے نقش قدم پر چل کر اس کام کو انجام دے۔ شہری اسی وقت آپس میں جڑتے ہیں جب انصاف ہوتا ہے اور سب کو اس کا حق ملتا ہے، اسی طرح معاشی خوشحالی ہے۔ ہندوستان ایک گھر کی حیثیت رکھتا ہے یہاں انصاف ہوتا کہ صاحب خانہ کو مفلوک الحالی کے نتیجہ میں ایک ایک فرد کو گننے کی ضرورت نہ پڑے کہ گھر کا خرچ چلے گا کیسے؟ اگر انصاف ہوگا تو کوئی پریشان نہ ہوگا نہ کسی کو کسی کے آگے جھکنے کی ضرورت پیش آئے گی بلکہ سب ایک جیسے ہوں گے۔ جناب وی پی سنگھ نے اصولِ انصاف ہی کو اپنا مقصد قرار دیتے ہوئے ترقیِ جامعہ کی نیک خواہش پر اپنی بات ختم کی[1]۔

بابری مسجد کے لئے گرفتاری :

اخباروں میں یہ اطلاع آچکی تھی کہ بابری مسجد ایکشن کمیٹی دہلی اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی اترپردیش مشترکہ طور پر ہار بارہ بجے یوپی سرکار کے غیر آئینی اور ظالمانہ اقدامات کے خلاف گرفتاری پیش کریں گی۔ یہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ حکومت یوپی نے بابری مسجد کے متنازع فیہ علاقہ کو ایکوائر (Acquire) کرلیا ہے۔ جبکہ ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ یہ زمین متنازعہ فیہ ہے اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ کی جائے ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا جبر وظلم ہوسکتا ہے؟ اس فیصلے کے خلاف اور بابری مسجد کے حق میں گرفتاری دینے

---

[1] ابوصالح اعظمی (سنوارہ) متعلم عربی پنجم نے ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے یہ دونوں تقریریں مرتب کیں۔

کے لئے مذکورہ کمیٹیوں کی طرف سے ۱۹ اکتوبر کی تاریخ مقرر کی گئی جس کے لئے پورے ملک سے منتخب افراد لکھنؤ دارالشفاء (ایم ایل اے کالونی) میں جمع ہوئے۔ جن کی تعداد کم و بیش پچاس تھی۔ گرفتاری کے اس پروگرام میں صدر جامعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے شرکت کی اور جلوس میں شریک ہوکر گرفتاری بھی دی۔ اس موقع پر موصوف نے جامعہ کے گزشتہ حالات کے بارے میں مرکزی سیاسی لیڈروں سے تبادلہ خیال بھی کیا۔

انتظامیہ کا اجلاس :-

انتظامیہ کا اجلاس ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو زیر صدارت مولانا جلال الدین صاحب انصر عمری منعقد ہوا۔ جس میں مختلف امور و مسائل کے علاوہ گرانی کے پیش نظر اساتذہ و کارکنان کی تنخواہوں میں قدرے اضافہ بھی ہوا۔ ساتھ ہی انتظامیہ نے ایک "Pay Commission" بھی مقرر کیا۔ جس کا کنوینر صدر جامعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی کو مقرر کیا جو کمیشن جنوری ۱۹۸۷ء میں لازماً اپنی رپورٹ پیش کردے گا۔

ایک دوسرا فیصلہ یہ بھی ہوا کہ دستور جامعہ پر از سر نو غور و فکر کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کا کنوینر صدر جامعہ کو بنایا۔ یہ کمیٹی دستور میں مناسب حذف و ترمیم کی سفارش کرے گی جسے وہ جنوری ۱۹۸۷ء میں پیش کرے گی۔

وفد جامعہ علامہ فراہیؒ سیمینار میں :-

علامہ فراہیؒ علمی دنیا کے ایک جانے پہچانے زبردست عالم دین تھے۔ انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ نے ۸، ۹، ۱۰ اکتوبر کو ان کی حیات و خدمات پر ایک سیمینار منعقد کیا جس میں مشاہیر اہل علم و دانش نے مقالے پیش کئے۔ جامعہ کے معزز اساتذہ و طلبہ بھی اپنے گرانقدر مقالوں کے ساتھ شریک سیمینار ہوئے۔ صدر جامعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی، مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی اور مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی کے مقالوں کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا خصوصاً تمام سامعین اور مقالہ نگاروں کا یہ تاثر رہا کہ صدر جامعہ کا مقالہ بعنوان مولانا فراہیؒ اور حکومت الٰہیہ سیمینار پر

مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی استاذ جامعہ کا مقالہ بعنوان "مولانا فراہیؒ اور فن نحو" مولانا عبد البر اثری فلاحی صاحب استاذ جامعہ کا مقالہ بعنوان "مولانا فراہیؒ اور تعلیم" اور جامعہ کے ایک طالب علم عزیزی محی الدین غازی سلمہ کا مقالہ بعنوان "علامہ فراہیؒ بحیثیت مفسر" جو عربی میں تھا وقت کی تنگ دامانی کی وجہ سے پیش نہ کیا جاسکا۔

معزز مہمانوں کی آمد :

جناب مولانا محمد امانت اللہ صاحب اصلاحی فلاحی برادری کے لئے غیر معروف نہیں ہیں۔ چونکہ موصوف قرآن پر گہری نظر رکھتے ہیں اس وجہ سے جامعہ میں ہم ان کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور ان سے استفادہ کی کوشش کرتے ہیں۔ موصوف فراہی سیمینار کی مناسبت سے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر تشریف لائے تھے اس کے بعد جامعۃ الفلاح آئے۔ یہاں ان کے ساتھ متعدد علمی مجلسیں منعقد ہوئیں۔

اسی طرح فراہی سیمینار سے دیگر معزز مہمان بھی تشریف لائے۔ محترم یٰسین مظہر صدیقی صاحب، محترم مسعود عالم صاحب قاسمی ناظم دینیات اے ایم یو، محترم شرف الدین صاحب اصلاحی (پاکستان)، محترم منہاج الدین صاحب اصلاحی (پاکستان) محترم رضی الاسلام صاحب ندوی، محترم وصی اقبال صاحب، محترم ابو البرکات صاحب اصلاحی وغیرہم۔ انھوں نے جامعہ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا، مختلف تجویزیں دیں اور ترقی جامعہ کی دعائیں کیں۔

ششماہی تعطیل ختم :

جامعہ کا روز اول سے یہ امتیازی وصف رہا ہے کہ تعطیل کے بعد اول دن اور اول وقت پر تمام متعلقین حاضر ہوتے اور تعلیم و تعلم کی ساری مساعی شروع ہو جاتی ہیں۔ الحمدللہ ۸ اکتوبر سے جامعہ کی دوسری ششماہی کا یہ سفر شروع ہو چکا ہے۔ تمام طلبہ و اساتذہ ششماہی چھٹیاں گزار کر واپس آگئے ہیں اور اپنی مفوضہ ذمہ داریوں میں مصروف ہیں۔

شعبہ ثانوی میں ایک استاد کا اضافہ :

پچھلے شمارہ میں یہ خبر آنے سے رہ گئی تھی کہ جناب منشی عبد القدوس صاحب بی اے ٹرینڈ (سی۔ ٹی۔ ایچ) بزم اساتذہ میں آشامل ہوئے ہیں۔ موصوف چھتر پور انجان شہید مسکوار اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ اصلاً اعظم گڑھ کے ایک جونیر ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں اور اب جامعہ کو ان کی خدمات حاصل ہیں۔

تعمیرات

بحمدللہ قارئین واقف ہیں کہ شعبۂ طالبات کلیۃ البنات کی موجودہ عمارت ناکافی ہے۔ جگہ تنگ اور طالبات کا ایک جمِ غفیر ہے۔ پھر وہی درسگاہ بھی ہے اور وہی رہائش گاہ بھی۔ کئی سال قبل اس کے لئے ایک بڑا پلاٹ حاصل کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اب تک اس کے ۹ کمرے تیار ہو چکے ہیں۔ نو کمروں میں مزید کام ہونا ہے۔ منصوبے کے مطابق اس کمپلیکس میں درسگاہ، قیام گاہ، مہمان خانہ، ہاسٹل، اسٹاف کوارٹر، لائبریری، مطبخ، ڈائننگ ہال، کامن روم وغیرہ کی تعمیر ہے جس کی لاگت کا اندازہ سوا کروڑ روپئے ہے۔ صدقۂ جاریہ کا یہ ایک بہترین موقع ہے۔

دوسری جانب شعبۂ اطفال کی درسگاہ بغیر پلاسٹر کے تھی اس میں پلاسٹر کا کام تقریباً مکمل ہے۔

ایک بجھتے ہی ترے شمع شبستاں آرا — کوثر عظمی

مولانا عبدالمجید صاحب اصلاحی ندوی مرحوم صدر مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کی یاد میں، جو ۲۳ مئی ۱۹۹۱ء کو چند دہشت پسندوں کے ہاتھوں شہید ہو کر ناگہاں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ (ادارہ)

رونقِ انجمنِ گل تھا جو لالہ نہ رہا — ناز تھا جس پہ وہ سروِ قدِ بالا نہ رہا
رہ گیا کرب سے کلیجہ کوئی چوٹ کر ہائے — دینے والا تھا جو سینے میں سنبھالا نہ رہا
ایک نہ بجھتے ہی ترے شمع شبستاں آرا — بزمِ رنداں ہوئی ویران، اجالا نہ رہا
کون سا عالمِ حیرت ہے یہ غم کا یا رب — اشک آنکھوں میں نہیں ہیں جو یہ نالہ نہ رہا
تندئ بادِ مخالف سے مقابل بن کر — تھا تو ناقابلِ تسخیر ہمالہ نہ رہا
تھم گیا رقصِ دوامِ موجِ مئے نور کہ تھا — جامِ خورشیدِ فلک نے جو اچھالا نہ رہا
جان بے جان لکیروں میں جو ڈالا کرتا — تھا دلآویز مصور نے جو ڈھالا نہ رہا
کس سے منسوب کریں شعرِ شکستہ خاطر — کلکِ مبہوت کر دیا ان حوالہ نہ رہا
منفرد جس کی تھی تفہیمِ عبارت کوثر — زیبِ قرطاس وہ عنوانِ مقالہ نہ رہا